قیمت دو روپے۔

ازالۃ الشکوک، غدر کے پس و پیش زمانہ میں مولانا محمد رحمۃ اللہ صاحب کیرانوی مرحوم نے عیسائیون کے رد مین جو ربانی شہرت اور مقبولیت حاصل کی اور خصوصاً اُن کی عربی تصنیف میزان الحق وغیرہ نے نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیائے اسلام مین مقبولیت حاصل کی، احاطۂ مدراس کے مشہور عربی درسگاہ باقیات الصالحات نے ازالۃ الشکوک کے نام سے مولانا مرحوم کی کتاب کی دو جلدین اردو مین شائع کی ہین، عیسائی مناظرون سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب کے لیے یہ معلومات کا ذخیرہ ہے، قیمت تین روپے، پتہ:۔ مہتمم صاحب مدرسہ باقیات الصالحات، ویلور، شمالی آرکاٹ، احاطۂ مدراس،

رسولِ مدنی، یہ میلاد کی محفلون مین پڑھنے کا ایک مختصر رسالہ مولوی میر نذر علی صاحب درد کاکوروی کا لکھا ہوا ہے، کچھ نثر اور کچھ نظم ہے، دور از کار روایتون کو عموماً نہین لیا ہے، اور اختصار کیساتھ چند صفحون مین اسلام اور پیغمبرِ اسلام علیہ السلام کے متعلق مفید باتین درج ہین، اور عام محفلون مین پڑھنے اور سنانے کے لائق ہین، ضخامت ۳۲ صفحے قیمت ۲ر پتہ:۔ ملک چنن الدین صاحب کتب فروش اللہ والے کی قومی دوکان، محلہ ککے زئیان، لاہور،

النجمۃ السائرہ، آجکل عربی مدارس کے نصاب مین عربی عروض کے نصاب مین محیط الدائرہ بہت چل گئی ہے جو ایک شامی عیسائی کی تصنیف ہے، مگر مختصر اور سہل الفہم ہونے کی بنا پر مقبول ہے، النجمۃ السائرہ کے نام سے جناب مولوی سید سبط حسن صاحب ممتاز الافاضل نے اوپر عربی متن دیکر نیچے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے، اور تشریح کی ہے، اس لیے اردو دان اصحاب یا مشرقی امتحانات کے دلدادہ طلبہ اس سے پوری طرح فائدہ اٹھا سکتے ہین، قیمت عہ

پتہ:۔ انجمن مؤید الاسلام، مدرسۃ الواعظین، لکھنؤ،

جلد بست و پنجم | ماہ شوال المکرم ۱۳۴۸ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۳۰ء | عدد ۴

مضامین

شذرات

پچھلے شذرات مین مولنا عبد الحئی سہارنپوری مرحوم کے تذکرہ مین انکے والد ماجد کا نام غلطی سے حبیب الرحمان لکھ گیا تھا، صحیح نام عبد الرحمان تھا، اس سلسلہ مین نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خان شروانی اپنے والا نامہ مورخہ ۲۶ ذیقعدہ سنہ ۱۳۴۹ھ مین ارقام فرماتے ہین

"مولوی عبد الحئی صاحب مرحوم بڑے مخلص دوست، ہمدرد و بہی خواہِ اسلام بزرگ تھے، انجمن اسلامیہ کے مقاصد کی تائید مین متواتر دورے ایام فرصت مین فرماتے تھے، شگفتہ طبع بذلہ سنج تھے، وفات سے دو سال پہلے کلام مجید بڑے اہتمام سے حفظ کیا، پار سال بڑے اہتمام سے محراب مین سنایا امسال بھی، ۲۰ رمضان مبارک کی شب کو تراویح مین کلام پاک سنانے کی حالت مین مبتلائے طاعون ہوئے، ۲ ماہ مبارک یوم جمعہ کو وفات پائی، احباب کو بالخصوص بہت تاسف ہے"

مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ کیمیا کے نوجوان لائق صدر ڈاکٹر قاسم علی منصوری ایم اے، ایم ایس سی (کینٹب) پی ایچ ڈی (گوٹنجن) جو ہماری قوم مین اس فن کے مستند ماہر اور یورپ کی درسگاہون کی متعدد سندون کے مالک تھے، ۱۰ اگست سنہ ۱۹۳۰ع کی صبح کو کسی بیماری مین دل کی حرکت بند ہو جانے سے وفات پا گئے، مرحوم کے دل کا یہ عارضہ کیمیائی تجربہ گاہ کے بعض خاص قسم کے گیس کے اثر سے شروع ہوا تھا جس سے وہ بالآخر نجات نہ پا سکے، اس طرح ہم ان کو شہید علم کا درجہ دے سکتے ہین، مرحوم کی اس غیر متوقع وفات سے ہمارے ملک کے حلقۂ علم وفن کو بڑا صدمہ پہنچا، خدا مغفرت فرمائے،

بشار بن برد، خلیفہ ہارون الرشید عباسی کے دربار کا بڑا شاعر تھا، جہان تک معلوم ہے اس کا دیوان اب تک شائع نہین ہوا ہے، شام کے چوتھی صدی ہجری کے دو مشہور شاعر بھائی جو خالدین کے نام سے معروف ہین، اُنھون نے اسکا دیوان مرتب کیا تھا، اور اس کی شرح پانچوین صدی کے ایک ادیب اسماعیل بن احمد برقی نے لکھی تھی، اس دیوان اور اس شرح کا

نہایت عمدہ نسخہ کتبخانۂ آصفیہ حیدر آباد دکن مین ہے، مسلم یونیورسٹی کے معلم عربی مولوی بدر الدین صاحب بنگالی ادبی ذوق مسلم ہے اور جو ادبی عنوانات پر الزہرا مصر اور رسالہ المجمع العلمی العربی دمشق مین مضامین لکھتے رہتے ہین، اُنھون نے یہ ارادہ کیا ہے کہ وہ اس کتاب کو تصحیح و تحشیہ کے بعد شائع کرین، جناب نواب مسعود جنگ بہادر وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی نے انکے اس ارادہ کو پسند کیا اور اُنھون نے یہ قلمی نسخہ حیدر آباد سے منگوا کر انکے حوالہ کیا ہے، دعا ہے کہ یہ مفید علمی خدمت جلد سر انجام پائے،

حیدر آباد دکن کے ایک نوجوان اہل قلم سید تمکین صاحب کاظمی اردو شاعرہ خواتین کا تذکرہ مرتب کرنا چاہتے ہین اسمین شروع سے آج تک جتنی اردو شعر کہنے والی خواتین گذری ہین اُن کے حالات اُنھون نے فراہم کئے ہین، اس سلسلہ مین وہ چاہتے ہین کہ جن صاحبون کو کسی گذشتہ یا موجودہ کسی ایسی سنجیدہ باکمال شاعرہ کے کچھ حالات اور کلام معلوم ہون وہ ان سے اُنکو مطلع کرین، ان کا پتہ کوٹلہ عالی جاہ، حیدر آباد دکن ہے۔

ناظرین معارف کو پنجاب کے نوجوان فاضل اور ہفت زبان شیخ عنایت اللہ صاحب ایم اے کا نام یاد ہوگا جو گورنمنٹ کے وظیفہ پر وہ اسکول آف اورنٹل اسٹڈیز مین عربی کی مزید تعلیم و تحقیق کے لیے گئے ہین، اُن کے ایک خط سے معلوم ہوا کہ پروفیسر آرنلڈ صاحب جن سے ہندوستان کے لوگ آشنا ہین اور جو اب اس اسکول آف اورنٹل اسٹڈیز مین ہین اور وہ جامعہ مصریہ کی درخواست پر جنوری سنہ ۱۹۳۰ع مین مصر آئے ہین، اور تقریباً چار مہینے وہان ٹھہر کر اسلامی تاریخ کا درس دیتے ہین، جسمین مصریون کو خصوصیت کیساتھ ہندوستان کی اسلامی تاریخ اور یہان کی اسلامی حکومت سیاسی اقتدار اور شاندار تمدن سے آگاہ کر رہے ہین،

پیر جھنڈا (سندھ) کے مشہور کتبخانہ مین جو کتابین مختلف اقطاعِ عالم سے نقل ہو کر حال مین آئی ہین، ان مین حسب ذیل کتابین قابلِ ذکر ہین، طبقات محدثین اصفہان دو جلد کامل للحافظ ابی الشیخ، کتاب الافراد للدار قطنی کی جلد دوم، ابن منذر کی کتاب علی الاتفاق والتفرق ابن عدی کی الکامل فی الرجال کی تیسری جلد عسکری کی کتاب تصحیفات المحدثین، اور ابو داؤد سجستانی کی کتاب المصاحف،

ریاست حیدرآباد جس نے اردو کی شاندار خدمات انجام دی ہین کئی سال سے اردو کے مکمل و خوشنما نستعلیق کے تیار کرانے مین مصروف تھی چنانچہ چند سال کی کوششون کے بعد وہ اس مقصد مین کامیاب ہوئی ہے اور اب اُس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ملک کے ممتاز و سربرآوردہ اہل علم کو جنکو اس کام سے دلچسپی و واقفیت ہو اور جو اس کی دقتون کے حل کرنے مین مناسب مشورے دے سکتے ہون انکو حیدرآباد آنے کی تکلیف دیجائے اور انکی ایک مشورتی مجلس ۲۲-۲۳-۲۴ اپریل سنہ کو حیدرآباد مین منعقد ہو، ریاست نظام نے اردو کی یہ اتنی بڑی اہم خدمت انجام دی ہے کہ اسکے اس احسان سے نہ صرف اردو زبان بلکہ فارسی زبان بلکہ وہ تمام ایشیائی زبانین جو فارسی نستعلیق خط مین لکھی جاتی ہین، کبھی عہدہ برآ نہین ہو سکتین،

پچھلے رسالہ مین کتاب المبین پر ڈاکٹر عبد الستار صاحب صدیقی ایم اے، پی ایچ ڈی کا جو مضمون شائع ہوا تھا، ہمارے پاس اسکا ایک متین و سنجیدہ جواب ہمارے ہی حلقہ کے ایک ممبر مولوی اکرام اللہ خانصاحب ندوی معاون ادبی سکرٹری مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈھ کی طرف سے موصول ہوا ہے، مضمون دیر مین پہنچنے کے سبب سے اس مہینہ مین شائع نہ ہو سکا، انشاء اللہ آیندہ پرچہ مین شائع ہوگا،

جس طرح مکہ معظمہ مین علم و فن کی خدمت کا فخر اہل ہند کو حاصل ہے، اب مدینہ منورہ مین اس کے حصول کا سامان میسر آگیا ہے، جناب مولنا سید احمد صاحب فیض آبادی برادر مولنا سید حسین احمد صاحب نے جو اس شہر اقدس مین ایک مدت سے سکونت پذیر ہین، اور اپنے فضل و کمال اخلاص و دینداری اور حسن اخلاق کی بنا پر عرب و ہند، شاہ و رعایا دونون ملکون اور دونون طبقون کے قلوب پر یکسان حکمران ہین چند سال سے وہان "مدرسۃ العلوم الشرعیہ لیتامی البلدۃ النبویہ" کے نام سے ایک مذہبی درسگاہ قائم کی ہے، اور جسکی الگ عمارت مسجد نبوی کے جوار مین بن رہی ہے، عرب، ہندوستان اور افریقہ کے متعدد باکمال مدرسین امین ادبی و دینی علوم کا درس دے رہے ہین، اور انتہائی ایثار کیساتھ صرف کفاف پر اپنی خدمتون کو انجام دے رہے ہین، ابھی حال مین سنہ ۱۳۴۸ھ کی روداد شائع ہوئی ہے جسمین مدرسۂ مذکور کے متعلق ہر قسم کے معلومات اور مختلف چندون کی فہرستین درج ہین، ایسی ضروری درسگاہ کی امداد ہر مسلمان کا فرض ہے، جو خوش قسمت اصحاب اس کار خیر مین شرکت کرنا چاہین وہ چاندنی چوک دہلی کوٹھی حاجی علی جان صاحب مرحوم کے ذریعہ سے اپنا چندہ بھیج سکتے ہین،

مقالات

قدیم مشرقی مصنوعات

اُسلامی اقتدار کا اثر یورپ کی صنعت پر"

از

مولنا عبد السلام صاحب ندوی

چند روز ہوے کہ ایک یورپین لیڈی نے ایک جغرافیانہ انجمن کے سامنے اس دلچسپ موضوع پر ایک تقریر کی تھی اور اُس تقریر مین یہ الفاظ کہے تھے:-

"جو کپڑا آج موسلین کے نام سے مشہور ہے وہ موصل سے آیا تھا اور ٹالین کپڑا جس کو "بلڈاکو" کہتے ہین اس کے معنی پردہ یا چھتری کے ہین اور انگریز لوگ جس کپڑے کو "ڈیمیٹی" کہتے ہین اس کی اصل شہر "دُمیاط" سے ہے"

بلڈاکو کے متعلق اگرچہ اس لیڈی کا خیال غلط ہے، کیونکہ یہ لفظ "بلڈاک" سے مشتق ہے، جو بغداد کی بگڑی ہوئی شکل ہے، اور بلڈاکو "ثوب بغدادی" یعنی بغدادی کپڑے سے ماخوذ ہے جس کو یورپین لوگ اپنے ملکون مین چھتری بنانے کے لیے لیجاتے تھے، لیکن اور الفاظ کے متعلق اس کی خیالات صحیح ہے، لیکن یہ جغرافیانہ تحقیقات صرف انھی چند الفاظ تک محدود نہین ہے، بلکہ یورپین زبانون مین اور بھی بہت سے کپڑون کے نام ملتے ہین جو یورپین ملکون مین مشرق کے مختلف شہرون سے لائے گئے ہین، اور وہان انھین شہرون کے انتساب سے مشہور ہوگئے ہین، مثلاً

Alepine — حلبی

Baldaquin — بغدادی،

Belebac — بعلبکی، یہ کپڑا بعلبک سے بنگال مین بھی آیا اور وہان بناگیا،

Bocassin — بوقاسی (حلب اور مصیصہ کے درمیان ایک شہر کا نام ہے)

Brocart — براق

Cachemire — کشمیری یا قشمیری،

Caimacani — قائم مقامی،

Calicot — قالیقوطی (کالیکوٹی) کالی کٹ کی طرف منسوب ہے،

Cambaye — کنبائی ہندوستان کے شہر کھمبایت کی طرف منسوب ہے،

Canequin — خانقینی خانقین کی طرف منسوب ہے جو عراق کا ایک گاؤن ہے،

Chite — شیت عراقی اس کو جیت یعنی چھینٹ کہتے ہین،

Damas — دمشقی

Demitte — دمیاطی

Feutre — فیتر

Fotte — فوطہ

Fustanelle — فسطان ایک قسم کا لباس ہے جس کو عورتین پہلے فسطاطی کپڑون سے بناتی تھین پھر رومیون نے اسکو اپنا مخصوص لباس بنالیا،

Futaine — فسطاطی فسطاط مصر کی طرف منسوب ہے جہان نہایت عمدہ کپڑے تیار کئے جاتے تھے،

Gaze — غزی

Grenade — غرناطی اندلس کے مشہور شہر غرناطہ کی طرف منسوب ہے،

Habassis — حبشی بصرہ کے محلہ حبش کی طرف منسوب ہے،

Haman — حموی

Indienne — ہندی

Levantine — لاونذی (یعنی مشرقی)

Madapolam — مضام یہ لفظ ہندوستان کے شہر میٹھا پلم سے ماخوذ ہے،

Magrabin — مغربی

Maroc — مراکشی

Masulipatam. — ماصولی ہندوستان کے شہر مسلی پٹم کی طرف منسوب ہے،

Mocade — مقعد ایک قسم کا کپڑا جو بیٹھنے کی چیزون پر منڈھا جاتا ہے،

Moire — مور ایک کپڑا جس مین موجون کی طرح لہرین اٹھتی ہین،

Mohabut — مہابادی ایک گاؤن کی طرف منسوب ہے جو قم اور اصبہان کے درمیان ہے،

Moncayar — مخیر

Moultans — مولتانی ملتان کی طرف منسوب ہے،

Mousseline — موصلی

Nankin — ننکینی چین کے شہر ننکین کی طرف منسوب ہے،

Nankinette — ننکینیہ

Nassaris — نوصاری ہندوستان کے شہر نوصاری کی طرف منسوب ہے،

Pekin — پکینی چین کے شہر پکین کی طرف منسوب ہے،

صایہ	شابہ یا شیہ کی تحریف ہے جو سلج سے ماخوذ ہے جو ایک کپڑے کا نام ہے	Saie Saiette
سیامی یا صیامی	سیام کی طرف منسوب ہے	Siamoise
عتابی	عتابیین کی طرف منسوب ہے جو بغداد کا ایک محلہ تھا اور وہین یہ کپڑا بنا جاتا تھا،	Tabi Tabis
طنجی	ہندوستان کا ایک شہر ہے،	Tanjeb.
ترکی		Turquoise

یہ ایک جدید تحقیقات ہے جسکو اس زمانے کے اور مورخانہ نظریات کی طرح اگرچہ قیاسی کہا جا سکتا ہے، لیکن تاریخی روایات سے بھی اس کی تائید کیجا سکتی ہے، اور ان روایات کی بنا پر مشرق کے اکثر شہرون کو مختلف قسم کی مصنوعات کا مرکز قرار دیا جا سکتا ہے، بالخصوص بغداد مین جو اس زمانے کا پیرس تھا بہترین قسم کے کپڑے تیار ہوتے تھے، اور وہان کے متعدد گاؤن اس صنعت مین نمایان شہرت رکھتے تھے، مثلاً سبن بغداد کا ایک گاؤن تھا جس مین سبنی کپڑے بنے جاتے تھے، اور وہ ایک قسم کا سیاہ تہ بند ہوتا تھا جو سوت اور حریر سے تیار کیا جاتا تھا اور اس کو عورتین استعمال کرتی تھین، ابن خلدون نے اپنی کتاب اخبار الاندلس مین بغدادی چادرون کا ذکر کیا ہے جو زرین حریر سے تیار کی جاتی تھین، اور گھوڑون کی زیبایش و آرایش کے کام آتی تھین،

یاقوت حموی نے خطیرہ کا ذکر ان الفاظ مین کیا ہے:۔

"بغداد کا ایک بڑا گاؤن ہے۔۔ جس مین نہایت باریک سوتی کپڑے تیار کیے جاتے ہین، اور انکو تاجر اپنے شہرون مین لے جاتے ہین، حریم بغداد کا ایک محلہ ہے جس مین مختلف قسم کے جالی دار کپڑے تیار ہوتے تھے،،

مقدسی لکھتا ہے:۔

"کیا تم نے بصرہ کے ریشم وہان کے کپڑے اور وہان کی اور چیزون کا ذکر نہین سنا ہے؟ ابلہ مین کتان

لہ تنزیب کی اصل غالباً یہی ہے، کہ نوعے از جامہ باشد و آنرا از علف بافند (برہان قاطع)

کے قیمتی کپڑے بنتے ہین اور کوفہ مین ریشم کے نہایت عمدہ عمامے، اور بغداد مین نادر چیزین اور طرح طرح کے ریشمی کپڑے، نعمانیہ مین چادرین اور عمدہ ادنی کپڑے بنائے جاتے ہین، اور بغداد مین قیمتی تہ بند، عمامے، قصریہ اور بوبیتہ مین رومال، تکریت کے ادنی کپڑے، واسط کے پردے"

یہ اُس مضمون کا خلاصہ ہے جو بغداد کے مشہور رسالہ لغۃ العرب[1] مین شائع ہوا ہے، اور مضمون نگار نے اس کو ان پر حسرت الفاظ مین ختم کیا ہے،

"آج ان صنعتون کا نام و نشان بالکل مٹ گیا ہے، اور بجز حریر کے تہ بندون کے اور کوئی صنعت باقی نہین ہے، کیونکہ یورپین کپڑون نے سب کا گلا گھونٹ دیا ہے، کاش وہ دن آئے جب ہماری قدیم صنعتین دوبارہ زندہ ہوجائین،،

لیکن یہ پر حسرت داستان یہین ختم نہین ہوجاتی بلکہ اس کو اور بھی زیادہ پھیلا کر بیان کیا جا سکتا ہے اور ہم اس مضمون کے ذریعہ سے یہی فرض انجام دیتے ہین، عنوان کے لحاظ سے اگرچہ یہ مضمون تمام مشرقی مصنوعات پر مشتمل ہے، تاہم جہان تک معلومات کا تعلق ہے وہ صرف صنعت پارچہ بافی مین محدود کر دیا گیا ہے، حالانکہ قدیم زمانے مین کوئی صنعت ایسی نہ تھی جو مشرقی ممالک مین نہ پائی جاتی ہو، اگرچہ یہ افسوسناک بات ہے کہ ہمارے مورخین نے مشرقی صنائع کی کوئی مستقل تاریخ نہین لکھی، اس لیے اس موضوع کے متعلق مفصل اور مسلسل معلومات بمشکل مل سکتی ہین، تاہم ہمارے جغرافیہ نویسون اور سیاحون نے اس کے متعلق جو جستہ جستہ معلومات فراہم کی ہین اُن سے مشرقی ممالک کی صنعتی ترقیون کا اندازہ نہایت خوبی کے ساتھ ہو سکتا ہے، اور ہم مختلف صنعتون کے متعلق انہی معلومات کو مختلف عنوانات مین یکجا کر دیتے ہین،

کاغذ دار القز بغداد کا ایک عظیم الشان محلہ تھا، عربی زبان مین قز ریشم کو کہتے ہین، جس سے قیاس ہوتا ہے کہ اس محلے مین ریشمی کپڑے تیار کئے جاتے تھے، لیکن یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ "اب یہ محلہ بالکل ویران ہو گیا ہے، صرف چار محلے باقی رہ گئے ہین، اور ان مین کاغذ بنایا جاتا ہے[2]،،

[1] لغۃ العرب فروری ۱۹۲۹ء [2] معجم جلد ۴ صفحہ ۱۱

شاطبہ مشرقی اندلس کا ایک عظیم الشان پرانا شہر تھا، اور اس مین نہایت عمدہ کاغذ تیار کیا جاتا تھا جو اندلس کے تمام شہرون مین جاتا تھا[1]،

ظروف گلی تونس افریقہ کا مشہور شہر ہے، اور اس کی نسبت یاقوت حموی لکھتا ہے کہ "تونس مین پانی رکھنے کے لیے مٹی کے کوزے بنائے جاتے ہین جنکو ریحیۃ کہتے ہین، اور وہ اسقدر سفید اور شفاف ہوتے ہین کہ ان کے اندر کی چیز قریب قریب جھلکتی ہوئی معلوم ہوتی ہے، اور ملکون مین ان کی نظیر نہین پائی جاتی[2]"،

ظروف چوبی بعلبک نہایت مشہور مشرقی شہر اور صنعت و حرفت کا مرکز تھا، اسکی نسبت ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ مین لکھتا ہے کہ "یہان لکڑی کے برتن اور چمچے ایسے عمدہ بنائے جاتے ہین جنکی نظیر اور شہرون مین نہین ملتی، یہ لوگ بڑے پیالے کو دست کہتے ہین، اور بعض اوقات ایک پیالہ تیار کرتے ہین، پھر اسی کے اندر دوسرا پیالہ تیار کرتے ہین، اور اس طرح ایک پیالہ کے اندر دس پیالون کی گنجایش نکال لیتے ہین، حالانکہ دیکھنے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی پیالہ ہے، اسی طرح ایک چمچے کے اندر دس چمچے بنا لیتے ہین، جنکا غلاف چمڑے کا ہوتا ہے، اور جب کوئی شخص دسترخوان پر ان سے کام لینا چاہتا ہے تو دیکھنے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایک ہی چمچہ ہے، لیکن اس کے اندر سے دس چمچے نکلتے ہین[3]"،

خنسا یہ ایک شہر کا نام ہے جس کے ذکر مین یہی سیاح لکھتا ہے کہ "خنساوی کپڑے یہین تیار ہوتے ہین اور سب سے عجیب تر جو چیز یہان تیار ہوتی ہے وہ بانس کے طشت ہین جس کے ٹکڑے باہم نہایت مہارت کیساتھ جوڑے جاتے ہین اور چمکدار سرخ رنگ سے ان کو رنگا جاتا ہے، اور ایک طشت کے اندر دس طشت ہوتے ہین لیکن دیکھنے والے کو ایک ہی طشت معلوم ہوتا ہے، یہ لوگ اسی بانس سے پیالے بھی بناتے ہین اور نہایت عجیب بات یہ ہے کہ وہ اوپر سے گر کر نہین ٹوٹتا، ان مین گرم کھانا رکھدیا جاتا ہے، لیکن ان کا رنگ نہین بدلتا اور وہ ہندوستان اور خراسان مین وہین سے لایا جاتا ہے[4]"،

[1] معجم جلد ۵ صفحہ ۲۱۴ [2] معجم جلد ۲ صفحہ ۴۴ [3] ابن بطوطہ جلد اول صفحہ ۵۹ [4] ابن بطوطہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۵۔

ظروف برنجی ارمناز حلب کے اطراف مین ایک نہایت قدیم شہر تھا جہان نہایت عمدہ دیگ اور لوٹے بنتے تھے[1]

شیشہ سازی حلب کو نہایت قدیم زمانے سے شیشہ سازی مین شہرت حاصل ہے، اور آج ہر شخص اسی شہرت کی بنا پر حلبی آئینہ سے واقف ہے، اور اس کو یہ شہرت اس کی قدرتی پیداوار کی بنا پر حاصل ہوئی ہے، چنانچہ یاقوت حموی ایک پہاڑ کے ذکر مین لکھتا ہے کہ "اس مین چار کانین مین، ایک تارکول کی، ایک گیرو کی، تیسری اس مٹی کی جس سے لوہے ڈھالنے کی کلیا بنائی جاتی ہے چوتھی اس ریگ کی جو حلب مین پیدا ہوتا ہے اور اس سے شیشہ بنایا جاتا ہے، اور وہ چونا کی طرح سفید ہوتا ہے[2]"، لیکن حلب ہی کی کوئی خصوصیت نہین بلکہ قدیم شہرون مین بہت سے شہر اس صنعت کے جلوہ گاہ تھے، مثلاً ابن بطوطہ دمشق کی سڑکون کے ذکر مین لکھتا ہے کہ "وہان ہر جو ہریون کتب فروشون اور عجیب و غریب شیشے کے برتنون کے کاریگرون کی دوکانین مین[3]"،

مشہور تاریخی مقام قادسیہ کے علاوہ زمانہ قدیم مین ایک گانون بھی اسی نام سے آباد تھا اور اسکی نسبت یاقوت حموی لکھتا ہے کہ "وہان شیشے بنائے جاتے ہین[4]"،

چرم سازی زمانہ جاہلیت کے اشعار مین عرب کے بعض مقامات کے مشہور چمڑون کا ذکر آتا ہے، احادیث مین بھی اسی قسم کی تصریحات ملتی ہین بالخصوص ادیم یمنی تو عام طور پر مشہور ہے، لیکن ان کے علاوہ جغرافیون اور سفرنامون مین اور بھی متعدد مقامات کے نام ملتے ہین، جو چرم سازی یعنی چمڑون کی دباغت مین مشہور تھے، مثلاً یاقوت حموی اغمات کے ذکر مین جو مغرب کا ایک مشہور شہر تھا لکھتا ہے کہ "یہان چمڑون کی دباغت اس خوبی کے ساتھ ہوتی ہے کہ دنیا کے اور چمڑے ان کے آگے کوئی حقیقت نہین رکھتے، اور وہان سے وہ مغرب کے تمام شہرون مین لائے جاتے ہین، اور مغربی لوگ ان کے سخت خواہشمند ہوتے ہین[5]"، اسی طرح مغرب کے شہرون مین غدامس کے متعلق لکھتا ہے کہ "یہان غدامسی چمڑون کی دباغت ہوتی ہے

[1] معجم البلدان جلد اول صفحہ ۲۰۰ [2] معجم جلد ۳ صفحہ ۱۰۸ [3] ابن بطوطہ جلد اول صفحہ ۵۶ [4] معجم جلد ۷ صفحہ ۷، [5] معجم جلد اول صفحہ ۲۹۶،

اور یہ بہترین دباغت شدہ چمڑا ہوتا ہے جس کے آگے خوبی کا کوئی درجہ نہین نرمی اور چمک مین گویا وہ ریشمی کپڑا معلوم ہوتا ہے[1]

صعدہ یمن کا ایک شہر تھا اور اس مین چرم سازی کے متعدد کارخانے تھے، جہان جوتے کے لیے گاے بیل کے چمڑے کی دباغت ہوتی تھی[2]،

صنعت پارچہ بافی اس صنعت کی ترقی کا پہلا دور سلیمان بن عبد الملک کے زمانے سے شروع ہوا، کیونکہ وہ نہایت خوش خوراک اور خوش پوشاک تھا اس لیے اس کے دور حکومت مین قدرتی طور پر صنعت پارچہ بافی کو ترقی ہوئی، اور اسکے بعد مشرق کے تمام شہر تمام قصبات اور دیہات اس صنعت کا مرکز بنگئے، چنانچہ ان مین جس قسم کے کپڑے تیار ہوتے تھے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے،

مصلی اور قالین آمل طبرستان کا مشہور شہر ہے، اور وہان طبرستانی مصلے اور نہایت عمدہ قالین تیار ہوتے تھے[3]

اقش اندلس کا ایک شہر تھا اور یہان بے نظیر قالین تیار ہوتے تھے[4]

اقصرا روم کا ایک بہترین شہر تھا اور وہان بے مثل اونی قالین بنائے جاتے تھے، جو شام و مصر، عراق، ہندوستان، چین اور ترکستانی شہرون مین لائے جاتے تھے[5]،

تبسہ افریقہ کا ایک مشہور شہر تھا جہان نہایت مضبوط اور لمبے چوڑے قالین تیار ہوتے تھے، اور مدتون ٹھہرتے تھے[6]

تنس بحر مصر کا ایک جزیرہ تھا جہان رنگین کپڑے، اور زنگار رنگ کے قالین بنائے جاتے تھے[7]،

قالیقلا ارمینیہ کے اطراف مین ایک شہر تھا جس کی نسبت یاقوت حموی لکھتا ہے،

وتعمل بقالیقلا ھذہ البسط المسماۃ بالقالی اختصروا فی النسبۃ الی بعض اسمہ لثقلہ[8]	قالیقلا مین یہ بچھونے جنکو قالی کہتے ہین، بنائے جاتے ہین، اختصار کے لئے اس کے نام کے ایک جزو کی طرف ان کو منسوب کردیا ہے،

---

[1] معجم جلد ۶ صفحہ ۲۶۸ [2] معجم جلد ۵ صفحہ ۳۵۰، [3] معجم جلد اول صفحہ ۶۳ [4] ایضاً صفحہ ۳۲۴ [5] سفرنامہ ابن بطوطہ جلد اول صفحہ ۲۲۲ [6] معجم جلد ۲ صفحہ ۳۶۳ [7] ایضاً صفحہ ۴۱۹ [8] معجم جلد، صفحہ ۱۷،

اس عبارت سے قالین کی وجہ تسمیہ بھی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ فارسی مین قالین کو قالی ہی کہتے ہین جو اردو مین قالین ہوگیا ہے،

جہرم ایک ایرانی شہر تھا جہان نہایت عمدہ قالین تیار ہوتے تھے، اور خود ان قالینون کو بھی جہرم کہتے تھے[1]، اور غالباً جاجم کی اصلیت یہی ہے،

معجم وغیرہ مین ان مواقع پر "بسط" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو بساط کی جمع ہے اور وہ قالین کے علاوہ بچھانے کی اور تمام چیزون کو شامل ہے،

پردے بصنا اہواز کے اطراف مین ایک شہر تھا جہان کے تمام مرد اور تمام عورتین اُون کاتتی تھین اور غرش اور پردے بنتی تھین[2]

غندجان ایران کا ایک چھوٹا سا شہر تھا جس کی نسبت یاقوت حموی لکھتا ہے کہ "یہان قالین، پردے اور کرسیان وغیرہ اس قدر عمدہ بنتی ہین، جو ارمنون کی صناعیون کا مقابلہ کرسکتی ہین، یہین سے بادشاہ کے لیے طراز بھی بنکر تمام ملکون مین جاتا تھے[3]، جس کی حقیقت ابن خلدون نے ان الفاظ مین بیان کی ہے "بادشاہون کے نام یا اس کی مخصوص علامتین ان کے حریر و دیبا کے لباس مین بیل بوٹون کے ساتھ کاڑھے جاتے ہین، اور ان کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ سنہرے دھاگے یا ایسے رنگین دھاگون سے جو اس کپڑے کے رنگ سے مختلف ہون بن دیے جائین اور اس طریقے سے شاہی کپڑے شاندار ہوجاتے ہین[4]"

رومال اسمنان، رے اور دامغان کے درمیان ایک شہر تھا جہان نہایت عمدہ رومال بنائے جاتے تھے[5]، عربی زبان مین رومال کو مندیل کہتے ہین جس کو ہمارے جغرافیہ نویسون نے نہایت وسیع معنون مین استعمال

---

[1] معجم جلد ۳ صفحہ ۱۸۳ [2] معجم جلد ۲ صفحہ ۲۱۰

[3] معجم جلد ۶ صفحہ ۳۱۰

[4] معجم جلد ۵ صفحہ ۱۲۹،

کیا ہے، اس لیے سرپوش اور دسترخوان وغیرہ بھی اس مین داخل ہوگئے ہین، چنانچہ اسی وسیع معنی کی بنا پر یاقوت حموی بشاری کے حوالے سے بدخشان کے ذکر مین لکھتا ہے کہ "یہان ابرک پیدا ہوتا ہے جس کو آگ نہین جلا سکتی، اس کو تیل کے اندر رکھکر آگ لگا دیجاتی ہے تو وہ چراغ کی بتی کی طرح جلنے لگتا ہے، لیکن تیل تو جل جاتا ہے اور وہ بعینہ اپنے اصلی رنگ و روپ کے ساتھ قائم رہتا ہے، اس سے بڑے دبیز سرپوش بنائے جاتے ہین، اور جب وہ میلے ہوجاتے ہین اور ان کے دھونے کی ضرورت ہوتی ہے تو ان کو آگ مین ڈال دیا جاتا ہے، جس سے میل کچیل جل جاتا ہے اور وہ خود آگ سے صاف ستھرا اور بیداغ ہوکر نکل آتا ہے[1]"،

چادر قلعۂ حماد، مغرب کا ایک شہر تھا، جہان ایک پہاڑ کی چوٹی پر ایک قلعہ تھا اور غالبًا یہ شہر اُسی قلعہ کی وجہ سے اس نام سے مشہور ہو گیا تھا، یاقوت حموی اس قلعہ کی نسبت لکھتا ہے کہ "اس کا منظر تو اچھا نہین البتہ اس کے گرد بہت سے زرخیز گانون آباد ہین، جہان انجیر اور انگور پیدا ہوتے ہین، یہان باریک بناوٹ کی نہایت عمدہ چادرین بنتی ہین، جنپر سنہرے بیل بوٹے ہوتے ہین، یہان کے اون مین اس قدر نرمی اور چمک ہوتی ہے جو سونے کے ساتھ مل کر ریشم کا مقابلہ کرتا ہے[2]"،

ایران کی انتہائی سرحد پر تارم ایک شہر تھا جہان نہایت قیمتی ریشمی چادرین تیار ہوتی تھین[3]،

رصافہ شام ہشام بن عبدالملک کا آباد کیا ہوا تھا اور یہان کے لوگ چادرون کے بننے مین نہایت مہارت رکھتے تھے، یاقوت حموی لکھتا ہے کہ "یہان کے غریب و امیر سب کے سب اُون کاتتے ہین اور ان کی عورتین بنتی ہین[4]"، دریاے نیل کے مغرب مین سبنو ایک مقام ہے جہان نہایت عمدہ چادرین بنتی تھین[5]

عفارہ ایک قسم کی چادر ہوتی ہے جس کو یہود اپنی عبادت گاہون مین اوڑھ کر جاتے ہین، اور اس قسم کی چادرون کے بننے مین سجلماسہ کے لوگ نہایت مہارت رکھتے تھے (معجم جلد ۵ صفحہ ۱۴۱)

[1] معجم جلد ۲ صفحہ ۹۲، ۹۳ [2] ایضًا جلد ۷ صفحہ ۱۴۹ [3] معجم جلد ۲ صفحہ ۳۵۲ [4] معجم جلد ۴ صفحہ ۲۵۵ [5] معجم جلد ۵ صفحہ ۳۴۱

تہ بند سجلماسہ، جنوب مغرب مین ایک شہر تھا جہان کی عورتین اُون کاتتے مین نہایت مہارت رکھتی تھین، اور اس سے نہایت نادر قسم کے تہ بند تیار کرتی تھین جنکی قیمت ۳۵ دینار سے زائد ہوتی تھی[1]،

قس ہندوستان کا ایک شہر ہے اور غالبًا کچھ کا معرب ہے، اس کے ذکر مین یاقوت حموی لکھتا ہے کہ "یہان سے مختلف قسم کے کپڑے اور تہ بند لائے جاتے ہین اور ہندوستان سے جو چیزین آتی ہین ان مین سب سے بہتر یہی ہے، یہان سے نیل بھی آتا ہے جو رنگنے کے کام آتا ہے، اور وہ بھی اپنے اقسام مین سب سے بہتر ہوتا ہے[2]"،

عمامہ تستر خوزستان کا بہت بڑا شہر ہے، جہان نہایت عمدہ کپڑے اور نہایت عمدہ عمامے بنائے جاتے تھے، چنانچہ ایک دن صاحب بن عباد نے تستر کا بنا ہوا، ایک منقش عمامہ باندھا تو اس کے بعض ہمنشینون نے اس کو بغور دیکھنا شروع کیا اس پر صاحب بن عباد نے یہ لطیف ادیبانہ فقرہ کہا،

ما عملت بتُستر لتستر — یعنی یہ تستر مین اسلیے نہین بنایا گیا کہ اسکو چھپا کر رکھا جاے۔

یاقوت حموی لکھتا ہے کہ "یہ فقرہ صاحب بن عباد کے نوادرات مین سے ہے[3]"،

پوستین سرقسطہ اندلس کا مشہور شہر ہے اور اس کی نسبت یاقوت حموی لکھتا ہے کہ سمور صرف اسی شہر مین بنایا جاتا ہے اور وہ نہایت باریک کپڑا ہوتا ہے جو سرقسطیہ کے نام سے مشہور اور اسی اطراف کے باشندون کے ساتھ مخصوص ہے، لیکن اس جگہ جس سمور کا ذکر ہے اس کی حقیقت سے مین ناواقف ہون یا تو وہ ایک گھاس کا نام ہے جو وہان ہوتی ہے، یا ایک مشہور جانور کا اون ہے، اور اگر وہ یہی مشہور جانور ہے تو اس کو جند بادستر بھی کہتے ہین[4]،

مصیصہ، انطاکیہ اور بلاد روم کے درمیان، مسلمانون کا مشہور فوجی مرکز تھا اور یہان پوستین بنائے جاتے تھے جو اور ملکون مین جاتے تھے اور ایک پوستین کی قیمت ۳۰ دینار تک ہوتی تھی[5]،

[1] معجم جلد ۵ صفحہ ۱۴ [2] ؍؍ جلد ۷ صفحہ ۸۵ [3] ایضًا جلد ۲ صفحہ ۳۸۰ [4] معجم جلد ۵ صفحہ ۱ [5] ایضًا جلد ۸ صفحہ ۸۰

نقاب سرخس خراسان کے اطراف مین ایک نہایت قدیم شہر تھا اور یہان کے باشندے عورتون کے لیے نقاب، اوران کے سرمین باندھنے کے رومال وغیرہ کے بنانے مین نہایت مہارت رکھتے تھے۱؎

نمدے تلمسان مغرب کا ایک مشہور شہر ہے جہان گھوڑون کی ایک خاص نسل نہایت شہرت رکھتی تھی، اوراس مناسبت سے یہان گھوڑون کی زین کے نیچے رکھنے کے لیے نہایت عمدہ نمدے تیار کئے جاتے تھے، چنانچہ یاقوت حموی لکھتا ہے کہ تلمسان مین راشدی گھوڑون کو اور تمام گھوڑون پر فوقیت حاصل ہے، اور وہان کی عورتین مختلف قسم کے اونی نمدے تیار کرتی ہین جو وہان کے سوا اور شہرون مین نہین ملتے۲؎، سبنو صعید مصر کا ایک گانون ہے اور یہان بھی نہایت عمدہ نمدے بنائے جاتے تھے (معجم جلد ۵ صفحہ ۱۴۳)

کپڑون کی ان مخصوص قسمون کے علاوہ عام ریشمی، سوتی اوراونی کپڑے تو تقریباً تمام شہرون مین بنے جاتے تھے، مثلاً

ریشمی کپڑے البیرہ، اندلس کا ایک بہت بڑا ضلع تھا جس مین بڑے بڑے شہر آباد تھے اوراس کے گوشے گوشے مین کتان اورحریر تیار کئے جاتے تھے،۳؎

تبریز نہایت متمدن اور نہایت خوبصورت اسلامی شہر تھا اور یہان عبائی، خطائی، زرکار ریشمی کپڑے اوراطلس وغیرہ تیار ہوتے تھے جو مشرق اور مغرب کے تمام شہرون مین جاتے تھے۴؎

توج ایران کا ایک شہر تھا جو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت مین فتح ہوا تھا اور یہان کتان کے کپڑے تیار ہوتے تھے جو یہان کی مخصوص چیز سمجھے جاتے تھے، چنانچہ یاقوت حموی لکھتا ہے کہ یہان کتان کے کپڑے تیار کئے جاتے ہین جو یہین کی سرزمین کی طرف منسوب ہین، اگرچہ جو لوگ اس قسم کے کپڑے تیار کرتے ہین وہ زیادہ تر کازرون کے باشندے ہین، لیکن اس کپڑے کی نسبت توج کی طرف اس لیے کیجاتی ہے کہ توج کے باشندے اسکی صنعت

۱؎ معجم جلد ۵ صفحہ ۶۵، ۲؎ معجم جلد ۲ صفحہ ۲۰۸، ۳؎ معجم جلد اول صفحہ ۳۲۲، ۴؎ معجم جلد ۲ صفحہ ۳۶۲،

مین بہت زیادہ مہارت رکھتے ہین یہ ایک باریک اور جالی دار کپڑا ہوتا ہے جو چھلنی سے مشابہت رکھتا ہے لیکن اس کا رنگ نہایت عمدہ ہوتا ہے اوراس پر سنہرے بوٹے ہوتے ہین اس کے ڈھیر گن گن کر فروخت ہوتے ہین، اہل خراسان اس کا بڑا شوق رکھتے تھے اور یہ وہان بکثرت جاتا تھا، اس کی ایک اور باریک قسم تیار کیجاتی ہے، جس کو لوگ استعمال کرتے ہین۱؎

جرجان ایک مشہور اسلامی اور تاریخی شہر ہے، جہان ریشم پیدا ہوتا تھا، اس لیے قدرتی طور پر وہ ریشمی کپڑون کا مرکز تھا چنانچہ یاقوت حموی لکھتا ہے کہ یہان ریشم اور ریشمی کپڑون کی پیداوار ہوتی ہے جو اور ملکون مین جاتے ہین، جرجان کا یہ ریشم ایک کیڑے سے پیدا ہوتا ہے جو طبرستان مین جاتا ہے، اور طبرستان مین ریشم نہین پیدا ہوتا۲؎

قابس افریقہ کا نہایت متمدن اور زرخیز شہر تھا، جہان مختلف پھلون کے ساتھ ریشم بھی بکثرت پیدا ہوتا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہان شہتوت کے درخت بکثرت تھے اور اون کے ایک درخت سے جس قدر ریشم پیدا ہوتا تھا دوسرے شہرون کے پانچ درختون سے بھی نہین پیدا ہو سکتا تھا، اس بنا پر یہان نہایت عمدہ اور نہایت باریک حریر تیار ہوتا تھا، جو افریقہ کے اور صوبون مین مطلق نہین پایا جاتا تھا۳؎

مریہ اندلس کا اسلامی شہر تھا جو ضلع بیرہ مین واقع تھا، اور یہان نہایت عمدہ دیبا تیار ہوتا تھا، جو پہلے قرطبہ مین بُنا جاتا تھا پھر اہل مریہ نے اسکی صنعت مین قرطبہ پر تفوق حاصل کر لیا، اوراس حیثیت سے اندلس کے اور شہرون سے ممتاز ہو گئے۴؎

عمان مین چند گانون تھے جن کے مجموعے کو نزوہ کہتے تھے، یہان ایک قسم کا حریر تیار ہوتا تھا جو عرب کے اور شہرون مین نہین پایا جاتا تھا، بالخصوص اس کے تہبند غیر معمولی قیمت پر فروخت ہوتے تھے، یاقوت حموی لکھتا ہے کہ "مین نے ان کو دیکھا اور پسند کیا"۵؎ احادیث مین ہے کہ رسول اللہ صلعم نے قسی کپڑون

۱؎ معجم جلد ۲ صفحہ ۴۲۶، ۲؎ ایضاً جلد ۲ صفحہ ۵، ۳؎ ایضاً جلد ۷ صفحہ ۲، ۴؎ ایضاً جلد ۸ صفحہ ۴۲، ۵؎ ایضاً جلد ۸ صفحہ ۲۸۱،

کے استعمال کرنے سے منع فرمایا، لیکن اس کی حقیقت مین بڑا اختلاف ہے، بعض لوگون کے نزدیک قس ایک جگہ کا نام ہے اور یہ کپڑا اسی کی طرف منسوب ہے، بعضون کے خیال مین ایک مخصوص ریشمی کپڑے کا نام ہے، جو مصر سے آتا تھا، اور بعضون کے نزدیک یہ قز کا معرب ہے جس کے معنی ریشم کے ہین[1]، بہر حال یہ ایک ریشمی کپڑا ہوتا تھا جو مشرق ہی مین تیار کیا جاتا تھا،

سوتی کپڑے باب بزاعہ، حلب کے صوبہ وادی بطنان کا ایک چھوٹا سا شہر تھا جہان بکثرت گاڑھا (کرباس) تیار ہوتا تھا اور مصر اور دمشق مین جاتا تھا[2]،

باقداری بغداد کا ایک گانون تھا جہان دبیز سوتی کپڑے بنے جاتے تھے جو بغداد مین نہایت مشہور تھے[3]

حربی بھی بغداد اور تکریت کے درمیان ایک چھوٹا سا شہر تھا اور یہان بھی گاڑھا (کرباس) تیار ہوتا تھا جسکو تاجر اور تمام ملکون مین لے جاتے تھے[4]،

لاذق ایک رومی شہر تھا اور یہان بھی نہایت عمدہ سوتی کپڑے تیار ہوتے تھے، چنانچہ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ اس شہر کے بازار نہایت عمدہ ہین اور یہان بے نظیر سوتی کپڑے بنائے جاتے ہین جنپر سنہرے بیل بوٹے ہوتے ہین، چونکہ یہان کی روئی عمدہ ہوتی ہے اور مضبوطی کے ساتھ کاتی جاتی ہے اس لیے یہ کپڑے نہایت پائدار ہوتے ہین اور مدتون ٹھہرتے ہین، یہ کپڑے اسی شہر کی نسبت کے ساتھ مشہور ہین، اور ان کپڑون کی کاریگر زیادہ تر رومی عورتین ہوتی ہین، اور یہان بکثرت رومی رہتے ہین، جو ذمیون کی حیثیت رکھتے ہین[5]،

ان کپڑون کے علاوہ اور مختلف مواقع پر صنعت پارچہ بافی کا ذکر ملتا ہے، لیکن ان کی نوعیت کا پتہ نہین چلتا، یعنی یہ نہین معلوم ہوتا کہ وہ سوتی ہوتے تھے یا ریشمی؛ مثلاً یاقوت حموی اروستان کے ذکر مین لکھتا ہے کہ یہان بڑے بڑے گانون آباد ہین، جہان نہایت عمدہ کپڑے تیار ہوتے ہین، اور تمام ملکون مین جاتے ہین[6]، توز کی نسبت لکھتا ہے کہ یہان کے کپڑے اور ان کے بیل بوٹے حسن وخوبی مین ضرب المثل ہین[7]،

[1] معجم جلد ۷ صفحہ ۵۰، [2] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۹۰، [3] معجم جلد ۲ صفحہ ۴۴، [4] معجم جلد ۳ صفحہ ۲۶۰ [5] ابن بطوطہ جلد اول صفحہ ۲۱۷، [6] معجم جلد اول صفحہ ۱۸۰، [7] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۴۳۰،

شطا کے متعلق لکھتا ہے کہ شطوی کپڑے اسی کی طرف منسوب ہین، اور یہان اور دمیاط مین وہ قیمتی کپڑا تیار ہوتا ہے جس کی قیمت ہزار درہم تک پہنچ جاتی ہے حالانکہ اس مین سنہرا کام نہین ہوتا[1]،

ابن بطوطہ ایک چینی شہر کے ذکر مین لکھتا ہے کہ اس شہر مین چند سائبان بنے ہوے ہین جنمین کاریگر رہتے ہین جو عمدہ کپڑے اور آلات حرب بناتے ہین[2]،

ان تصریحات کے ساتھ مشرقی ممالک مین صنعتی گرم بازاری کا اندازہ کاریگرون کی کثرت سے بھی ہوسکتا ہے اور اس کے متعلق بھی کتابون مین بکثرت معلومات ملتی ہین، مثلاً یاقوت حموی اصبہان کے ایک گانون کی نسبت لکھتا ہے کہ یہان کے باشندے زیادہ تر جولاہے تھے[3]، ابن فقیہ ایک موقع پر خراسان کے متعلق لکھتا ہے کہ صنعتی خوبی کے لحاظ سے وہ گویا چینی شہرون کا ایک ٹکڑا معلوم ہوتا ہے، یہان کے لوگ تجارتی زندگی بسر کرتے ہین[4]

بم کے ذکر مین یاقوت حموی لکھتا ہے کہ کرمان کا نہایت عمدہ شہر ہے اور یہان کے لوگ خاص طور پر صنعتی مہارت رکھتے ہین جو زیادہ تر جولاہے ہین اور یہان کے کپڑے تمام شہرون مین مشہور ہین[5]،

دمیاط کے ذکر مین لکھتا ہے کہ وہ اسلام کا ایک فوجی مرکز ہے اور عمدہ شرب[6] کے کپڑے کی صنعت مین مشہور ہے اور دمیاط اور تنیس کی یہ ایک عجیب خصوصیت ہے کہ جو جولاہے ان قیمتی کپڑون کو بنتے ہین وہ قبطی ہوتے ہین جو پست ترین طبقہ سے تعلق رکھتے ہین، نہایت ذلیل کھانا کھاتے ہین، اور کھانے کے بعد ہاتھ تک نہین دھوتے، پھر اسی حالت مین یہ قیمتی کپڑے بنتے ہین، اور جب ایک خریدار ان کو الٹ پلٹ کر دیکھتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ عود سے بسائے گئے ہین، یہ بھی یہان ایک عجیب بات ہے کہ یہان دریا کے کنارے چند مکانات ہین جو کارخانے کے نام سے موسوم ہین، جولاہے ان کپڑون کے بننے کے لیے ان کو کرایہ پر لے لیتے ہین، اور وہین یہ کپڑے عمدہ بنتے ہین، اگر کسی دوسری جگہ بنے جائین یہان تک کہ اگر ان مین صرف ایک بالشت کی کسر رکھی جاے جو ان کارخانون مین لاکر پوری کیجاے اور دلال کو

[1] معجم جلد ۵ صفحہ ۲۷۴، [2] ابن بطوطہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۳، [3] معجم جلد ۲ صفحہ ۴، [4] کتاب البلدان صفحہ ۳۱۶، [5] معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۲۸۵، [6] جنسے باشد از کتان نازک ورقیق کہ بیشتر در مصر بافند واکابر و بزرگان آنجا بر سر بندند وآن بسیار لطیف و گرانمایہ است (برہان قاطع)

معلوم ہوجاے تو وہ اس کی قیمت کم کردیتا ہے کیونکہ اس سے کپڑے کی نوعیت مین فرق آجاتا ہے،

دمیاط مین ہر قسم کا قصب بلخی اور شرب تیار ہوتا ہے لیکن تنیس ان کی صنعت مین دمیاط کا مقابلہ نہین کرسکتا حالانکہ دونون کے درمیان صرف دو پہر کا راستہ ہے، دمیاط مین سفید کپڑے کی قیمت تین سو دینار تک پہنچ جاتی ہے حالانکہ اس مین سونا نہین ہوتا، دمیاط مین رنگین کپڑا اور تنیس مین سفید کپڑا نہین بنایا جاتا، بعض معتبر تاجرون کا بیان ہے کہ ۳۹۸ھ مین دو دمیاطی حلے تین ہزار دینار مین فروخت کئے گئے، اور ایسا کسی اور شہر مین نہین سنا گیا، یہان ہر قسم کے بوٹے دار اور منقش فرش قلمونی اور تولیے بنائے جاتے ہین جو دنیا کے تمام بادشاہون کی خدمت مین ہدیۃً پیش ہوتے ہین[1]،

سمیران کے متعلق لکھتا ہے کہ یہ ایک مضبوط قلعہ اور محمد بن مسافر کے قبضہ مین ہے، وہ جب کوئی عمدہ تجارتی مال یا کوئی عمدہ صنعت دیکھتا ہے تو اس کے بنانے والے کا نام پوچھتا ہے، اور جب اس کو اس کی جاے سکونت معلوم ہوجاتی ہے تو اس کے پاس اس قدر مال بھیجدیتا ہے جو اس کے لیے موجب ترغیب ہوسکتا ہے اور اس کے پاس آنے کے بعد اس سے بہت زیادہ مال کا وعدہ کرتا ہے، پھر جب وہ اس کے پاس آجاتا ہے تو قلعہ سے نکلنے نہین دیتا وہ اپنی رعایا کے بچون کو بھی صنعتی کاروبار مین لگاتا ہے[2]،

سوسہ کے متعلق لکھتا ہے کہ "اس کے اکثر باشندے جولاہے ہین جو سوسی کپڑے بنتے ہین، اور یہ کپڑے اگر دوسرے شہرون مین بنتے ہین تو وہ ان کے مشابہ ہوتے ہین، خود سوسہ مین اس کپڑے کی قیمت دس دینار ہوتی ہے[3]، دوسرے موقع پر لکھتا ہے کہ سوسہ مین جولاہون کا پیشہ بہ کثرت رائج ہے، اور یہان ایک قسم کا سوت کاتا جاتا ہے جسکے ایک مثقال کی قیمت سونے کے دو مثقال کے برابر ہوتی ہے[4]"، صالقان کی نسبت لکھتا ہے کہ "اس کے اکثر باشندے جولاہے ہین[5]"،

الجہاد فی الاسلام

از مولوی ابوالاعلیٰ صاحب مودودی، رفیق اعزازی دار المصنفین،

جس مین اسلامی جہاد کی حقیقت اور اسلام کے قوانین جنگ وصلح، معترضین کے جوابات اور شکوک وشبہات کا ازالہ، اسلامی قانون کا دوسرے مذاہب اور دوسری قومون کے قوانین جنگ سے مقابلہ وموازنہ اور موجودہ یورپین قوانین جنگ پر مفصل تبصرہ، اوران پر اسلامی قانون کی برتری، لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ اعلیٰ ضخامت

قیمت عہ، "منیجر"

[1] معجم البلدان جلد ۴ صفحہ ۰، [2] ایضاً جلد ۵ صفحہ ۳۵، [3] ایضاً جلد ۵ صفحہ ۱۷۳، [4] ایضاً جلد ۵ صفحہ ۱۷۵، [5] ایضاً جلد ۵ صفحہ ۳۴۴،

ایک کمیاب اردو مخطوطہ

"قصۂ حضرت تمیم انصاری رضی اللہ عنہ"

(کتب خانۂ کلیۂ جامعہ عثمانیہ مین)

از

مولوی عبد القادر صاحب سروری، ایم اے، ال ال بی، اسسٹنٹ پروفیسر اردو جامعہ عثمانیہ کالج

کتب خانۂ کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے اردو مخطوطون کی تفصیلی فہرست (Descriptive Catalogue) کی ترتیب کے دوران مین قدیم دکنی اردو کے بعض کمیاب مخطوطے بھی مجھے دستیاب ہوئے جو کتب خانہ مین داخل کیے گئے، انھین مین صنعتی کا "قصۂ حضرت تمیم انصاری رضی اللہ عنہ" بھی ہے،

مولوی عبد الحق صاحب بی اے معتمد انجمن ترقی اردو کو اس مخطوطے کی کیفیت لکھنے پر موصوف نے مطلع فرمایا کہ آپ کے پاس بھی اس کا ایک غیر مکمل مخطوطہ موجود ہے، ان دو کے سوا کسی اور نسخے کا علم نہین[1]، بحالت موجودہ کتب خانہ کلیہ جامعہ عثمانیہ کا نسخہ ہی مکمل معلوم ہوتا ہے اور اسلیے قیمتی ہے،

حیدرآباد مین باوجود قدیم ترین کتب خانون کے خود دکنی کتابون کی ریسرچ کا مواد اساسی کتب (REFERENCEWORKS) وغیرہ جیسی کہ ضرورت ہے نہین مل سکتے تاہم کمیاب مخطوطون کے متعلق ممکنہ سعی سے جس قدر معلومات فراہم ہوسکتی ہین، ان سے ایک

[1] اس مضمون کے لکھے جانے کے بعد ہم نے صنعتی کے قصے کا ایک اور نسخہ نواب عنایت جنگ بہادر مددگار محکمۂ صفائی (حیدرآباد دکن) کے کتب خانہ مین دیکھا یہ نسخہ بھی مکمل اور نفیس ہے،

مضمون "باقر آگاہ" پر لکھا گیا تھا جو رسالہ "اردو" (اورنگ آباد دکن بابتہ اپریل ۱۹۲۶ء) مین شائع

ہوا، یہ دوسرا مخطوطہ ہے جو شاید اب تک گوشۂ گمنامی مین پڑا ہوا تھا،

(عبدالقادر سروری)

قصہ حضرت تمیم انصاری تقریباً تین سو سال پیشتر یعنی گیارھوین صدی ہجری کے وسط مین لکھا گیا تھا، اس کا مصنف بیجاپور کے دربار کا ایک شاعر صنعتی ہے، یہ تصنیف غالباً اردو منظوم قصہ نویسی کی تاریخ مین ابتدائی مرحلہ ہے، ادبیات کے متعلق بارہا کہا گیا ہے کہ وہ اپنے پیدائشی ماحول اور زمانہ کے رجحانات کا عکس ہے، اردو کے متعلق اس امر مین کچھ شبہ نہین کہ یہ زبان مسلمانون اور ہندوؤن کے باہمی میل جول، ایک کا دوسرے پر عمل اور رد عمل اور بڑی حد تک انکی باہمی مفاہمت اور انس و یگانگت کا نتیجہ ہے،

مسلمانون کے ہندوستان مین مستقل طور پر آنے سے پہلے اور اس کے فوراً بعد ہی سے انھون نے ہندو مسلک کے حق مین انصاف کرنے کی خاطر اس کو سمجھنے کی طرح طرح سے کوشش کی، عباسی خلفاء کے عہد ہی سے مسلمان ہندی تہذیب سے اپنے سیاح اور مصنفین وغیرہ کے ذریعہ روشناس ہو چکے تھے، لیکن ہندوستان کو اپنا وطن قرار دینے کے بعد یہ چیز اور بھی نمایان ہوگئی، یہی وجہ ہے کہ فارسی زبان جو اسلامی عہد حکومت ہند کی قدیم ترین زبان ہے، مین بہت سی تصنیفات ہندو مسلک سے متعلق ملتی ہین،

ایک طرف تو وہ خود اس ملک کو زیادہ سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے، دوسری طرف اُنھون نے ہندوؤن کو صحیح اور صحت بخش اصول پر اپنے آپ سے مانوس بنانے کی خاطر اپنے مشرب اور مذہب کو بھی ان پر واضح کرنے کی طرح طرح سے کوششین کین، اس تاریخی حقیقت کو نظر مین رکھتے ہوے اس اتفاق پر زیادہ استعجاب نہین ہوتا کہ اردو کے ابتدائی ادب کے پیدا کرنے والون مین اکثر مذہبی پیشواؤن کے اسمائے گرامی دیکھنے مین آتے ہین، اس سے ابتدائی ادب کے خاص خاص رجحانات کا پتہ چلانے مین بھی آسانی

ؐ یہ اشارہ ہے البیرونی وغیرہ کی طرف جنھون نے خلفاے عباسیہ کے عہد مین ہندوستان کا سفر کیا اور یہان کے حالات کا مطالعہ کیا،

ہو جاتی ہے، چنانچہ اس دور کے کارنامے فطری طور پر تمامتر مذہبی تحریرون پر مشتمل ہین، دکنی دور جو اردو ادب کی پیدائش کا اولین دور ہے، اس کے تین سو سال کے اندر (۸۰۰ - ۱۱۰۰) جس قدر وسیع ادب پیدا ہوا اس کا بیشتر موضوع مذہب ہے، اسکی تفصیل یہان بے موقع ہے، صرف ہم اس قصہ کی موضوعی اہمیت پر روشنی ڈالنے کے لیے ان ابتدائی امور کی طرف توجہ منعطف کرانی ضرور سمجھتے تھے،

قصہ گوئی اور قصہ نگاری، ہر قوم کی تمدنی ابتدا کا ایک دلچسپ واقعہ ہے، اس کی سنجیدہ اور فنی اہمیت سے قطع نظر کم سے کم دل بہلانے کے لیے اس کی ضرورت ہر جگہ اور ہر وقت مسلم ہے، لیکن قدیم ترین اردو مصنفین جنمین سے اکثر کسی حال مین بھی مذہبی پیشوا نہین تھے، اور جو زیادہ مذہبیات پر قلم اٹھانا نہین چاہتے تھے وہ بھی، مذہب کے گہرے اثرات سے خالی نہین تھے، چنانچہ قصہ نگاری جسے بظاہر مذہبیات سے کسی قسم کا تعلق نہین نظر آتا وہ بھی مذہب کے سہارے ہی چلنا چاہتی تھی، اس وقت کے عام رجحانات کی طرح قصہ نگارون کا بھی ایک رجحان تھا، چنانچہ مختلف قدیم قصون مثلاً "زلیخاے ثانی" (مصنفہ فتح) قصہ ملکۂ مصر (مصنفہ عاجز) وغیرہ کی طرح قصہ تمیم انصاری بھی اسی قسم کے میلانِ طبع کا ایک ظہور ہے،

صنعتی جس کا علمی دنیا کو کم سے کم حال معلوم ہوا ہے دکن کے غالباً شہر بیجاپور یا اس کے نواح مین اس زمانہ مین پیدا ہوا جبکہ شمالی ہند مین خوش حالی کا دورہ اکبر اعظم کی علمی ترقیون سے مستفید ہو چکا تھا، اور اب اس کا سلسلہ شاہجہان کی یادگار حکومت مین اپنی منتہا تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا، فارسی زبان "اور" ہندی فارسی" شاعری کے چرچے دربار کے اندر اور باہر خوب ہو رہے تھے، اردو شاعری کی تصنیف و تالیف کا تو یہان کوئی ذکر نہین، لیکن اس مین شبہہ نہین کہ دو آبے مین اور اس کے اطراف یہ زبان خاموشی کے ساتھ بن رہی تھی،

صنعتی کا ذکر تذکرون مین نایاب ہے، خوش قسمتی سے خود اس نے تمہید مین چند ایسے واقعات بیان کئے ہین جن سے اس کے متعلق تو نہین مگر اس کے ماحول کے مطابق کافی معلومات حاصل ہو سکتی ہین،

اس نے سلاطینِ عادل شاہی کے غالبًا دو سلسلے دیکھے، چنانچہ وہ اپنی اس تصنیف کے اندر محمد شاہ بادشاہ کی تعریف کرتا ہے،

کہ ہے جگپو او سایہ کردگار ۔۔۔ اچنبا ہے یو پو چھائون پروردگار

محمد شہ دادگر دین پناہ ۔۔۔ کہ ہردم محمدؐ جسے دستگاہ

یہان محمد شہ سے خیال دکن کے ان تمام حکمرانون کی طرف جاسکتا ہے، جن کے نام یا نام کا جز محمد شہ ہو، چنانچہ سلاطین بہمنیہ مین اسی نام کے تین بادشاہ گذرے ہین، محمد شاہ بن بہمن شاہ (۷۵۹ھ-۷۷۶ھ) محمد شاہ ثانی (۷۸۰-۷۹۹ھ) محمد شاہ ثالث جس کا پورا نام شمس الدین محمد شاہ تھا، (۸۶۷-۸۸۷ھ) لیکن ان مین سے آخری بادشاہ کے زمانے سے بھی صنعتی کا زمانہ مطابقت نہین کرتا، یہ قصہ اس نے جس سنہ مین لکھا، اس کو اور شمس الدین محمد ثالث کے زمانے کو ایکسو اڑسٹھ (۱۶۸) سال ہوتے ہین اگر اس قصہ کے لکھنے کے وقت صنعتی کی عمر کم سے کم بیس سال کی بھی سمجھی جاے تو اس حساب سے اس کے قصے کے لکھنے کے وقت اس کی عمر (۱۸۸) سال کی ہوگی، جو ناممکن ہے، اس لیے یہ یقین ہے کہ بہمنی سلسلے کے اس نام کے بادشاہون مین سے کسی کے عہد مین صنعتی موجود نہین ہوسکتا، اسی طرح سلاطین قطب شاہیہ مین محمد قلی قطب شاہ (۹۸۸-۱۰۲۰ھ) اور محمد قطب شاہ (۱۰۲۰-۱۰۳۵ھ) جس کے متعلق صنعتی کے معاصر ہونے کا شبہہ ہوسکتا تھا، کوئی بھی اس قصے کے لکھنے کے وقت زندہ نہین رہ سکتا،

صنعتی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ محمد شہ ابراہیم شاہ کے بعد تخت نشین ہوا، اس سے ہمارے قیاس کو مزید تقویت ہوتی ہے، کیونکہ محمد عادل شاہ سے بالکل پہلے ابراہیم عادل شاہ ثانی (۹۸۸-۱۰۳۷ھ) تخت نشین تھا، صنعتی کے شعر مین محمد شاہ کے نام کے ساتھ "دادگر" کی صفت یقینًا اس کے عادل شاہی لقب کی طرف اشارہ ہے،

یہ محمد شاہ دکن کا حکمران تھا جس کو صنعتی ہی نے اپنے ایک شعر مین صاف کردیا ہے، بیجاپور کے

بادشاہون کو شاعرون اور مورخون نے عمومًا "شاہِ دکن" یا "بادشاہِ دکن" ہی لکھا ہے،

دکھن کا تون ہے خسرو نامدار ۔۔۔ جتے تاجداران وتے باجدار

فرشتہ نے اپنی مشہور تاریخ فرشتہ[1] ابراہیم عادل شاہ ثانی ہی کے زمانے مین لکھی، غالبًا ابراہیم عادل شاہ کے عہد مین صنعتی کم عمر تھا، ورنہ وہ خصوصًا اس مقام پر جہان اس نے ابراہیم کے فرزند علاء الدین کی پیدایش کے جشن کا حال لکھا ہے اور ضمنًا شاعرون کے نام بھی لے لیے ہین ضرور صنعتی کا ذکر کرتا،

"بساتین السلاطین" (تاریخ بیجاپور) کے مصنف نے محمد عادل شاہ کے بیان مین ایک سرخی "در بیان بعضے شاعر کہ درآن زمان بودند" قائم کی ہے، اس مین وہ سب سے پہلے ایک شاعر کا ذکر کرتا ہے جس کا نام وہ ابراہیم خان صبعی بتلاتا ہے، صبعی کسی شاعر کا تخلص نہین سنا، بہت ممکن ہے کہ یہ صنعتی ہی ہو اور کاتب کی غلطی نے اس کو صبعی کردیا ہو (افسوس ہے کہ ہم کو بساتین کا ایک بے حد غلط نسخہ ملا جو یہان کے تمام کتب خانون مین مل سکتا ہے) صبعی اور صنعتی مین لفظی مماثلت ظاہر ہے کہ کس حد تک ہے، اس لیے یہ غیر قرین قیاس نہین کہ ابراہیم خان کا تخلص صنعتی ہو،

ملا ابراہیم کا ذکر مصنفِ بساتین السلاطین نے بڑی وقعت سے کیا ہے، ظہوری کے حوالے سے وہ لکھتا ہے کہ محمد شاہ نے ظہوری سے مشاہیرِ دکن پر کتاب لکھنے کی فرمایش کی،

"تمام احوالاتِ پادشاہان را کہ در تاریخ مسطور بود، احوالِ سعادت مآل و فتوحاتِ برکات آیات پادشاہ جہجاہ سلطان خاقان ابن خاقان سلطان محمد ادام اللہ جلالہ علی مفارق البریات، آنچہ خود مشاہدہ نمودہ، وآنچہ از ثقات صادق القول مسموع داشتہ بر صفحۂ ایام خجستہ فرجام نگاشتم، اول کسیکہ از مجلسیان حضور بتحقیق این مقدمہ پرداخت ابراہیم خان صبعی است کہ مجموعۂ علم عقلی فراہم آوردہ نقل مقالات او جست و مقدمات جمیع علوم در اشارہ معلوم نمودن یک

[1] تاریخ فرشتہ (مطبوعۂ نولکشور ۱۲۸۱ھ) جلد دوم صفحہ ۸۲

نفس کوشش براستاد بودن است، و دقیقہ یابی و نکتہ دانی موہبی است کہ از قلزم تفکرش برخاستہ و از ناز کی بیانش سوسن سیراب با آراستگی زبان خود آراستہ، در بزم گاہ سخن سنجیش شعر فہمان سخن رس تا مصرع نفس موزون از سینہ سر بر زند دم زدن خیال محال است اندازہ بلندش کمندی است کہ بر کنگرۂ گردون پیچیدہ و فکر فلک پیوندش صید بندیست کہ سرگرم شکار ملک و ملک گردیدہ، و قصیدہ و غزل معنی پیچیدہ، و معانی رنگین برجستہ چندان سربستہ کہ از بار تحسین آن زبان حرف گیران چون رنگ روے نشان درہم شکستہ، نیسانِ فکرتش از ہر مخزن اسرار ہزاران در بر روی کار آوردہ و بیک فرخندہ پے خیالش بہ نہان خانہ معرفت پر دردگاری بردہ نظم،

زہے نکتہ پرداز عالی مکان کہ پیروز کر فکرش قدر وشان

درایت منف گشتہ ہر صبح و شام مضامین نایاب بہر سلام

بمیدان معنی چو ناز د سمند سر اہل دعوی کند در کمند

چو دریاے طبعش شود موجزن زند جوش گوہر زمین و زمن

(بساتین السلاطین مطبوعہ مطبع سیدی حیدرآباد دکن ص۳۳۳-۳۳۴)

اس نسخے کی صحت مین بھی ناشر کو شبہ ہے، چنانچہ وہ اس کے آخر مین اسکی معذرت کرتا ہے کہ سوا ایک نسخے کے اس کا پتہ نہ چل سکا، اور یہ نقل صرف اصل سے مطابق ہے، اس لیے اس مین غلطیان بہت سی رہگئی ہین، اسکو قارئین درست فرمالین،

زیر نظر قصہ نو سطور کے (۹۵) اوراق پر ختم ہوا ہے، خوشنما خط نسخ مین دیسی کھرے کاغذ پر لکھا ہوا ہے اس کے ساتھ ترقیمہ نہین ہے، کاتب، سنہ کتابت اور مقام کتابت کا حال بھی درج نہین، لیکن نسخہ نہایت اچھی حالت مین ہے، غالباً بہت قدیم نہین ہے، اور اچھی طرح محفوظ کیا گیا ہے،

قصہ کا موضوع حضرت تمیم انصاریؓ کی فوق فطری مہمات ہین اور ان کی نوعیت وہی ہے جو قصہ

حاتم طائی یا، سندہ باد جہازی، کے قصے کے واقعات کی ہے، قصہ کا پلاٹ بھی تقریباً ملتا جلتا ہے،

اکثر دکھنی تصنیفات کی طرح اس قصہ کی ابتدا بھی حمد سے ہوتی ہے،

ثنا بول اول تو سبحان کا جو خلاق ہے جن و انسان کا

حمد کے ختم سے پانچ شعر پہلے مصنف اپنے تخلص کا اظہار کرتا ہے،

تزا رحم کر صنعتی پر مدام کر نکی تو کر کر حرا مکا متام

حمد کے (۹) اشعار کے بعد نعت شروع ہوتی ہے، جس کا پہلا شعر یہ ہے،

نبی کریم شفیع امین رسول خدا رحمت العالمین

نعت کے کل (۶۷) شعر ہین یہان بھی اختتام نعت سے پانچوین شعر مین مصنف اپنا تخلص لاتا ہے

ہے صنعتی سو تری بات پر دو جگ مین اسے تو سرافراز کر

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی منقبت مین بھی نعت کے بعد (۴۹) شعر اور سخن (شعر) کی تعریف مین (۵۸) شعر، بادشاہِ وقت محمد عادل شاہ کی تعریف مین (۵۷) شعر لکھے ہین، چونکہ اسی حصے سے مصنف کے ماحول پر روشنی پڑسکتی ہے، اس لیے اس کے اشعار جابجا سے نقل کیے جاتے ہین، پہلا شعر یہ ہے،

مبارک او[1] ہی جھاڑ جس چھاؤن[2] تل[3] خلق آئین آسودگی کی بدل[4]

وہی جگ مین ہے آب حیوان تمام کہ جیتی[5] سدا فیض ہے خاص و عام

مسیحا جگت مین وہی آج ہے کہ جس دم تے[6] سب خلق کا کاج ہے

اچھو[7] جھاڑ سرسبز ایسا مدام کہ جس جگ مین ہی فیض اشتی[8] تمام

اچھی کیون نہ او جھاڑ یون باردار کہ ہے جس سون[9] آرام سنسار[10] کار

کہ ہے جگ پو[11] او سایۂ کردگار اجنبا ہے یو چھانون پروردگار[12]

[1] وہ [2] چھاؤن [3] تلے [4] کے لیے [5] جس سے [6] سے [7] ہو [8] اس سے [9] سے [10] سنسار [11] جگ پر [12] ظل اللہ کا ترجمہ

محمد شہ دادگر دین پناہ　　کہ ہر دم محمد جسے دستگاہ
براہیم کے بعد از ہوا نا مدار　　جگت مین محمد شہ کامگار
دکھن کا تون ہی خسرو تاجدار　　جتی[1] تاجداران دتی باجدار
رہی حکم تل تجھ ہو[2] عجم　　شہان تجھ[3] سورج کن[4] ستاریان تے[5] کم
کرین ملک گیری اتی[6] یون شتاب　　کہ جون پل مین لیوی ملک آفتاب
دلاتی نگر مین شہی تجھ سہاتے[7]　　پرم کی نگر مین بھری تجھ دہائی
مدن[8] کا چمن جب تی[9] پایا جمال　　نہ دیکھیا ہی تجھ سار[10] کا نونہال
مدن مین ہی بلکہ مدن روپ تو　　مدن مست ہے تجھ مدن شوق سون
اسی حسن کے ملک کا شاہ تون　　عدالت کی آکاش[11] کا ماہ تون
اگر ابر برسائے باران تر　　ترا ہات برسای لعل و گہر
برستا ہو تجھ ابر احسان جیون　　نہ برسی کدھی ابر برسات یون

دعائیہ کے بعد ساقی نامہ پر اس مدحت کا خاتمہ ہوتا ہے،

سدا عیش و عشرتسون یون راجکر　　دیا دان سون دل کو معراج کر
اپنا ساقی او جام لیا[12] زرنگار　　سدا شہ کی اچھ[13] لطف سون کامگار
بھر اس دور اصاف خورشید کا (؟)　　جو بسری جہان جام جمشید کا

ساقی نامہ لکھنے کا رواج صنعتی کے زمانہ مین شروع ہو چکا تھا، ساقی نامے درحقیقت قدیم طویل نظمون مین بڑے لطف اور نزاکتون کے ادبی پارے ہوتے تھے جن سے شاعر تھکے ہوے ناظرین کی تواضع کرتا، اس کا رواج سب سے پہلے فارسی مین ہوا، جہان کی فضا اس کے لیے موزون تھی،

[1] دیکھنے، جسقدر [2] (دانت)، اس قدر [3] اور [4] تجھ [5] کنے، پاس [6] ستارون سے کم [7] وہ [8] موزون ہی [9] شراب، [10] سے
[11] جیسا [12] آسمان [13] لائق ہی،

یہ یقیناً اس موقع کی ادبی صورت مین پیش کشی ہے جب قصے یا نظم کی یکسانیت سامعین کی طبیعتون مین جمود پیدا کرنے کو ہو، اور شاعر یا قصہ خوان اُن کو اُکسانے کی کوشش کرے،

لیکن صنعتی کے ساقی نامون مین اور دوسرے شاعرون کے ساقی نامون مین ایک فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ دوسرے شاعر کسی بیان کے شروع کرنے سے پہلے ساقی نامہ لکھتے ہین اور صنعتی ختم ہونیوالی فصل کے آخر مین آنے والے واقعات سے متعلق ساقی نامہ لکھتا ہے، چنانچہ اوپر کے مدحی اشعار سے اسکا پتہ چل گیا ہوگا،

مدح سے شاعر اپنے اصلی موضوع کی طرف گویا گریز کرتا ہے لیکن اصل مطلب کے آغاز کرنے سے پہلے، وہ سبب تالیف کتاب، سنہ تصنیف، وغیرہ پر کچھ روشنی ڈالتا ہے، وہ بیان کرتا ہے ایک رات مین سونچ رہا تھا، خیالات، فوج در فوج دماغ مین گھوم رہے تھے، آخرکار یہ خیال آیا کہ اس جگ مین حیات دائم کس کو نصیب ہے؟ لیکن اسکی ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ نام نیک باقی رہتا ہے، ایسا جینا کس کام کا جس کی یادگار ہی نہ باقی رہے، "بقائے نام بڑی چیز ہے"، اس کا وسیلہ نیک نام حقیقی اولاد نہین بلکہ معنوی ہے،

جو بولے ہین یون عارفانِ سلف　　کہ ہے شعر بہتر سو بہتر خلف
کہا طبع سون دل تے یو بات مین　　کہون کون قصہ سو کس دھات[1] مین

غرض غور کرتے کرتے خیال مین یہ آیا کہ "سیہ زلف" اور "گال کے لعل" کا قصہ بیان کرنے سے بہتر یہ ہے کہ کوئی کام کی بات بیان کیجائے، چنانچہ اسی لیے حضرت تمیم انصاری رضی کا یہ قصہ لکھنے پر آمادہ ہو گیا،

حالات
جو اول تمیم انصاری اوپر　　کھریا کیون یہ قصہ عجیب سخت تر
سو کس کس بلایا[2] مین[3] سپڑی[4] انو　　بھی[5] کس دھات[6] آپس[7] گھر کون پڑی[8] انو

[1] حالت، طرح [2] بلاؤن مین [3] گرفتار ہوے، [4] وہ [5] بھی اور [6] حالت [7] اپنے [8] پکڑے،

جو اجب یو الہام مج آشکار — یہی پاک قصہ کیا اختیار

لیکن پہلے خیال تھا کہ اس قصے کو فارسی زبان میں لکھا جائے، چنانچہ لکھتے ہیں،

اسی فارسی بولنا شوق تھا — دلی بی عزیزان[1] کو یون ذوق تھا

کہ دکھنی زبان سون اسی بولنا — جو سیپی تی موتی نمن[2] رولنا

جبی فارسی کا نہ کچھ گیان[3] ہے — سو دکھنی زبان ان کون آسان ہے

کیا اوستی[4] دکھنی مین آسان کر — جو ظاہر دسیں[5] اس مین کی[6] ہنر

اس کے بعد قصے اور اس کے اخلاقی درس کی اہمیت کی بحث کرتے ہیں اور خود قصے کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ

اتھا گرچہ قصہ مین اس اختلاف — صحی[7] کر کو بولیان مین بی خلاف

دیا اس رسالہ کو مین سعی کر — سو ترتیب بارا مقامات پر

ہزار ایک پر سال پنجاہ و پنج — ہوئی تب ہوا پُر جواہر یو گنج

ان ابتدائی امور پر کافی طور سے لکھنے کے بعد وہ اصل مطلب کی طرف گریز کرتے ہین،

اور قصہ کا آغاز ایک ساقی نامہ سے کرتے ہین،

اپنا ساقی لیا جام او زر نگار — جو تا ناچری طبع کی سر نگار(؟)

پلا بھر کو ہر دور او صاف جام — جو کئی ایک جمشید اسکے غلام

---

[1] غالباً یہ مشتی کی کوئی رشتہ دار عورت ہے، [2] مثل [3] علم [4] اس کو [5] دکھائی دین، [6] کمی کی [7] صحیح،

موجودہ فرمانروایانِ عرب

(۵)

نجد

سلطان عبد العزیز آلِ سعود

از

مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

نجد حکومت نجد عرب کی موجودہ حکومتون مین سب سے زیادہ طاقت ور اور پر شوکت ہے سلطان عبد العزیز یہان کے حکمران ہین، اس کے حدود اربعہ بہت پیچیدہ ہین، مختصراً یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس کا مجموعی رقبہ ۵ لاکھ مربع میل ہے عرب کی کسی حکومت کا رقبہ اتنا وسیع نہین ہے اس طول و عرض مین ۲۰ لاکھ نفوس آباد ہین، مذہب کے اعتبار سے یہ آبادی، شیعہ، حنبلی، (وہابی) اور بعض دوسرے اہل سنت پر مشتمل ہے، مشہور مقامات مین ریاض، بریدہ، عنیزہ، حائل، ثرمدہ، شقراء، مجمعہ، حریملا، ہفوف، قطیف اور مشہور قبائل مین مطیر، حرب، عتیبہ، سبیع، دواسر، عجمان، عوازم، سہول، بنو مرہ، قحطان ہین اب چند برسون سے حکومت حجاز بھی نجد مین شامل ہو گئی ہے، اس لیے آبادی مین ۳ لاکھ نفوس اور رقبہ مین ۵۰ ہزار مربع میل کا اور اضافہ ہو گیا ہے اور حجاز کی سیادت کی وجہ سے اس کو مرکزی حکومت کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے،

حکومت نجد کی تاریخ نجدی حکومت کی تاریخ اٹھارہوین صدی کے اول سے شروع ہوتی ہے ۱۷۲۸؁ء مین محمد بن عبد الوہاب نجدی نے عرب مین احیاء سنت کی دعوت شروع کی، اور ۱۷۴۲؁ء مین مقام درعیہ کے شیخ محمد بن سعود (موجودہ حکمرانِ نجد کے مورث اعلی) اس دعوت مین شریک ہوئے اور ۱۷۴۶؁ء مین

اطراف وجوانب کے قبائل سے جنگ چھڑگئی اسوقت سے برابر انکا اثر بڑھتا گیا اور شرفاء مکہ نے انکو حج سے روک دیا، ۱۷۶۵ء مین اپنا کام ناتمام چھوڑ کر محمد بن سعود انتقال کر گئے، انکے بعد انکے لڑکے عبدالعزیز بن محمد بن سعود انکے جانشین ہوئے اور ۱۷۹۵ء مین اُنھون نے الحسا، اور قطیف پر قبضہ کر کے خلیج فارس کے ساحل پر اقتدار قائم کر لیا، ترکون نے ان کے نکالنے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہے، اور بالآخر ۱۷۹۷ء مین پاشا بغداد نے عارضی صلح کر لی، اور ۱۷۹۸ء مین شریف مکہ نے ان کے بڑھتے ہوے سیلاب کی روک سے مجبور ہوکر عبدالعزیز کو حج کی اجازت دیدی اور انھون نے شریف کے زیر اثر علاقہ مین تاخت وتاراج نہ کرنے کا اقرار کیا، لیکن یہ تعلقات زیادہ دنون تک قائم نہ رہ سکے، شیخ خزعل نے ایک وہابی قافلہ پر حملہ کر دیا، اسکے انتقام مین سلطان عبدالعزیز نے ۱۸۰۲ء مین کربلا پر قبضہ کر کے مقامات مقدسہ کی بے حرمتی کی اور یہان کے باشندون کو تہ تیغ کیا، ۱۸۰۳ء مین پھر شریف مکہ سے جنگ ہوئی، اس مرتبہ سلطان عبدالعزیز طائف پر قابض ہو گئے، اور اسی سال اُنھون نے فاتحانہ حج کیا، لیکن ان کی واپسی کے بعد پھر شریف غالب نے وہابی فوجون کو نکال دیا، البتہ کچھ مزید مراعات منظور کین، اسی زمانہ مین وہابیون نے خلیج فارس پر اقتدار جماتے جماتے بحرین پر قبضہ کر لیا، اور ۱۸۰۳ء مین عبدالعزیز کے بعد سعود بن عبدالعزیز ان کے جانشین ہوے، اُنھون نے ۱۸۰۵ء مین مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ پر قبضہ کر کے شریف غالب سے اطاعت قبول کرائی، اور خطبہ سے غالب کا نام نکال دیا گیا، اور ترکی حجاج کا قافلہ روک دیا گیا، نیز خلیفہ سے اپنی دعوت کے قبول کرنے کا مطالبہ کیا اور ان کے انکار پر ۱۸۱۰ء مین حوران لوٹ لیا اور خلیج فارس پر تاخت وتاراج شروع کر دی، اسی زمانہ مین انگریزون نے اس کی حفاظت کے لیے ایک جنگی بیڑا روانہ کیا اس نے راس الخیمہ پر قبضہ کر کے سعودی بیڑے کو برباد کر دیا، اسی زمانہ مین سلطان محمد علی پاشا خدیو مصر نے وہابیون کے مقابلہ مین فوجین روانہ کین چنانچہ طوسون پاشا نے ۱۸۱۱ء مین ینبع البحر اور ینبع البر فتح کیا، اور ۱۸۱۲ء اور ۱۸۱۳ء مین مدینہ اور مکہ پر ان کا قبضہ ہو گیا، ۱۸۱۳ء مین محمد علی پاشا خود جدہ آئے لیکن سعود سے

صلح نہ ہو سکی ۱۸۱۳ء کے آخر مین طوسون پاشا نے تربہ پر دوسرا حملہ کیا لیکن اس مین ناکام رہا اس کے بعد ترتیب کی جنگی کارروائی ختم ہو گئی اور ۱۸۱۴ء مین سعود کا انتقال ہو گیا ان کے بعد اُن کے لڑکے عبداللہ بن سعود جانشین ہوے ان کی جانشینی کے بعد پھر محمد علی پاشا نے جنگی کارروائی کا آغاز کر دیا اور ۱۸۱۵ء مین تربہ پر قبضہ کر کے عسیر کی طرف بڑھے اور قنفذہ ہوتے ہوے مکہ آئے، اسی سال مارچ مین طوسون پاشا نجد مین داخل ہو گئے اور الراس پر قبضہ کر لیا یہان ان سے اور عبداللہ بن سعود سے عارضی صلح ہو گئی، ۱۸۱۶ء مین پھر ابراہیم پاشا بن محمد علی پاشا نے مصری فوج کی کمان اپنے ہاتھ مین لی اور ایک سال مسلسل خونریز جنگ کے بعد درعیہ پہنچ گئے اور ۱۸۱۸ء مین نجد کے دارالسلطنت پر قبضہ کر کے سلطان عبداللہ اور محمد بن عبدالوہاب کے خاندان کو گرفتار کر کے قاہرہ بھیجدیا، ۱۸۱۹ء مین طوسون پاشا نجد سے واپس ہوے ان کی واپسی کے تھوڑے ہی دنون بعد سلطان عبداللہ کے بھائی مشاری نے پھر درعیہ مین حکومت قائم کر لی، لیکن حسین نے بہت جلد اس حکومت کا خاتمہ کر کے اُس کو گرفتار کر لیا، مصریون کے زمانہ مین عبداللہ بن محمد کا لڑکا ترکی سدیر بھاگ گیا تھا، مشاری کے بعد اس نے ریاض مین خود مختاری کی کوشش کی لیکن مصریون نے اسکو یہان سے نکال دیا، ۱۸۲۲ء مین پھر یہ اٹھا اور ریاض کے مصری دستہ پر حملہ کر کے اسکو متحیر کر دیا اور محمد علی پاشا کو سالانہ رقم دیکر ان کو راضی کر لیا اور ۱۸۲۳ء مین الحسا جس پر ترک قابض تھے فتح کر کے بحرین پر پھر تسلط جما لیا، اس وقت سے نجدی حکومت کا دارالسلطنت درعیہ سے ریاض منتقل ہو گیا، ۱۸۳۴ء مین ترکی بن عبداللہ کا خاتمہ مشاری بن عبدالرحمن کے ہاتھون ہوا ابھی اسکو حکومت ملے چالیس دن ہوے تھے کہ ہفوف مین فیصل بن ترکی کے ہاتھون قتل ہو گیا، اور فیصل تخت حکومت پر بیٹھا، نجدی سلسلہ کے تیسرے فرمانروا سعود کے لڑکے خالد نے مصری فوج کی مدد سے فیصل کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور ریاض مین فیصل کو شکست دی، مصری فوج کے سپہ سالار خورشید پاشا نے ۱۸۳۸ء مین الدلم مین اسکو دوسری مرتبہ شکست دے کر گرفتار کر کے مصر بھیجدیا، اور خالد بن سعود نجد کا فرمانروا ہوا، لیکن مصری فوج کی واپسی کے بعد ۱۸۴۱ء مین عبداللہ بن ثنیان آل سعود ان کو ریاض سے نکال کے خود بادشاہ بن بیٹھا، ابھی ایک سال بھی نہ گذرا تھا کہ اس سلسلہ

کے آٹھوین فرمانروا فیصل نے (جو اب رہا ہو چکا تھا) اسکو گرفتار کر کے قید کر دیا، فیصل بن ترکی ایک مرتبہ تجربہ اٹھا چکا تھا اس لیے نہایت ہوشیاری کے ساتھ اس نے دوبارہ نجد مین اپنی حکومت جمائی اور ۱۸۶۵ء مین انتقال کر گیا، اس کے بعد اس کا لڑکا عبداللہ بن فیصل بن ترکی حکمران ہوا اسکی تخت نشینی کے ۶ سال بعد ۱۸۷۱ء مین اس کے بھائی سعود بن فیصل نے اس کو تخت سے اتار دیا، سعود بن فیصل کے زمانہ مین ترکون نے احساء اور قطیف پر قبضہ کر لیا اس کی موت کے بعد ۱۸۷۴ء مین پھر عبداللہ نے تخت حاصل کر لیا اور ۱۸۸۳ء تک قابض رہا اسی سنہ مین اسکو محمد بن رشید حائلی سے جنگ کرنا پڑی یہ جنگ مین مشغول تھا کہ سعود کے بیٹون نے حکومت پر قبضہ کر کے اسکو جلا وطن کر دیا اور محمد بن سعود حکمران ہوا اس کے چند ہی دنون کے بعد محمد بن سعود کا چچا عبدالرحمن بن فیصل تخت نشین ہوا، ایک سال کے بعد محمد بن رشید نے اس کو تخت سے اتار دیا اور عبداللہ بن فیصل کو بٹھایا، یہ اسکی حکومت کا تیسرا موقع تھا، دو سال بعد ۱۸۸۸ء مین اس کا انتقال ہو گیا، اس کے انتقال کے بعد محمد بن رشید نے محمد بن فیصل کو بٹھایا، یہ سلسلہ رشید کے ماتحت تھا، محمد کی وفات کے بعد ریاض مین رشید کے عمال حکمران رہے،

موجودہ حکمران

اسی سلسلہ کے بیدار مغز فرمانروا عبدالعزیز ہین، انھون نے اپنی کوششون سے اپنے آبا و اجداد کی مٹی ہوئی حکومت از سر نو قائم کی، ریاض پر محمد بن رشید والی حائل کا قبضہ تھا اور یہ جسکو چاہتے تھے حکمران بناتے تھے، ۱۹۰۲ء مین موجودہ سلطان نے کویت کے شیخ کی مدد سے ریاض کو واپس لیا، اور مدتون ان کے حملون کا کامیاب مقابلہ کرتے رہے، ابن رشید نے ترکون سے بھی مدد لی لیکن حائل مین خود بدامنی پھیل گئی تھی، اس لیے کچھ نہ کر سکے اور ریاض مین آزاد نجدی حکومت قائم ہو گئی، اب رشید خود ان کے دست نگر ہین اور ان کی جملہ ضروریات سلطان عبدالعزیز پوری کرتے ہین، سلطان عبدالعزیز آل سعود نہایت بیدار مغز اور روشن خیال حکمران ہین، ذہانت، طباعی اور زبان آوری فطرۃً موجود ہے، علوم سے بھی ان کو وافر حصہ ملا ہے، خصوصاً موجودہ پالٹکس مین ان کے معلومات نہایت وسیع ہین، ہر مسئلہ کے متعلق ذاتی اور صائب رائے رکھتے ہین، یورپ کو انھون نے خوب سمجھا ہے اور اس کی ہر ادا پر ان کی نظر بہت غائر رہتی ہے، اس کے

متعلق ان کی یہ رائے نہایت دلچسپ ہے کہ "یورپ اس آہنی پھاٹک کے مثل ہے جس کے اندر کچھ نہین ہے" یہ بیرونی طاقتون سے مطلقاً خوف نہین کھاتے اور ان کے نمایندون کے سامنے نہایت بے باکی سے اپنے خیالات اظہار کرتے ہین، گو وہ نجدی ہین، لیکن ان کی ذات مین کوئی تعصب نہین، ان کو شیعون کا سب سے بڑا دشمن کہا جاتا ہے لیکن غالباً لوگون کو یہ معلوم نہین کہ احساء مین ۳۰ ہزار شیعہ ان کے زیر حکومت نہایت آزادی سے زندگی بسر کرتے ہین، البتہ مراسم مین افراط تفریط کی اجازت نہین ہے، شیعہ تو مسلمان ہین، غیر مسلمون کے ساتھ ان کو تعصب نہین چنانچہ انگریزون کے ساتھ بلا تکلف کانٹے چھری سے کھاتے ہین،

انگریزون سے تعلق

حجاز مقدس کی حکمرانی کی وجہ سے مسلمانون کے لیے ان کے اور بیرونی غیر مسلم حکومتون کے تعلقات کا مسئلہ بہت اہم ہے، جنگ عظیم کے قبل تک ان کے اور انگریزون کے تعلقات دوستانہ تھے اور اس زمانہ مین انھون نے ان کی بہت قیمتی مدد کی تھی اس کے عوض مین انگریزون نے کچھ رقم بھی مقرر کی تھی لیکن اختتام جنگ کے بعد پوری ادا نہین کی اس لیے تعلقات مین ناخوشگواری پیدا ہو گئی گو ظاہری تعلقات مین کوئی فرق نہین آیا ہے تاہم وہ بات باقی نہین رہی، اس کے علاوہ انھون نے سلطان کے دشمنون کو ان کے اردگرد حکمران بنا دیا ہے جس کی وجہ سے سلطان ہر طرف سے محصور ہو گئے ہین، عراق مین فیصل اور شرق اردن مین عبداللہ ان کے سخت دشمن ہین، آج سے چند سال پیشتر انگریزون کے ساختہ پرداختہ شریف حسین بھی تھے، لیکن اب وہ ختم ہو چکے تاہم جو لوگ باقی ہین انگریز ان کی مالی اور سیاسی مدد کرتے ہین، اور اس کا منشاء یہ ہے کہ سلطان انگریزون کے مفاد کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکین اور یہ بھی دوسرے فرمانروایان عرب کی طرح ان کی بساط سیاست مین مہرہ کا کام دین،

اتحاد عرب کا خیال

سلطان ابن سعود ان تمام امور کو شدت کے ساتھ محسوس کرتے ہین، اسی لیے وہ تمام امراے عرب کو متحد کرنا چاہتے ہین، اور اس مین وہ نہایت خلوص سے کوشان ہین تاکہ عرب مین کوئی خطرناک اجنبی اثر پیدا نہ ہو سکے، اتحاد عرب کے لیے انھون نے مختلف صورتین پیش کی ہین، ایک یہ کہ تمام فرمانروایان عرب کی

کانفرنس ہو اور وہ سب ان کو جزیرۃ العرب کا بادشاہ تسلیم کرین کیونکہ ان کے نزدیک اس منصب جلیل کا ان سے زیادہ کوئی اہل نہین ہے، اور اگر امرای عرب ان کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو منتخب کرین تو ان کو اس کے تسلیم کرنے مین تامل نہ ہوگا، اور اس کے بعد بھی یہ عرب کے فلاح وبہبود مین کوشان رہین گے، اور اگر یہ صورت بھی نہ ہو سکے اور کوئی ایسی تیسری شکل پر اتفاق ہو جو سب کے لیے مفید ہو تو اس کے قبول کرنے مین بھی ان کو عذر نہ ہوگا مثلاً آپس مین کوئی اس قسم کا معاہدہ ہو جائے جو امراے عرب کے انتظامی یا سیاسی امور کے متعلق ہو یا مشترک اقتصادی مسائل کے تحفظ پر مشتمل ہو تو وہ اس کو نہایت خوشی سے قبول کرینگے، اور اگر ان شکلون مین کوئی بھی نہ ہو سکے تو کم از کم وہ خود اپنے سیاسی مقتضیات کے موافق ہر اس سلطنت کے ساتھ جس کا اور ان کا مفاد مشترک ہو گا معاہدہ کرنے مین تامل نہ کرین گے، اس کا مقصد کسی کی مخالفت نہ ہوگا کیونکہ سلطان ایک صلح پسند آدمی ہین، البتہ وہ یہ ضرور چاہتے ہین کہ ان پر بھی کسی قسم کی زیادتی نہ ہونے پائے، لیکن عربون کے کسی معاملہ مین بھی انگریزون کی ثالثی پسند نہین کرتے، وہ یہ کہتے ہین کہ ان کی ثالثی اختلاف کی خلیج اور زیادہ وسیع کر دیتی ہے، اگر دو شیوخ کے حدود مین کوئی ایسا اختلاف ہو جو ملکی آدمی کے ذریعہ سے بآسانی طے ہو سکتا ہے اگر اس مین انگریز ثالث بن جائین تو ان کا پولیٹیکل ایجنٹ اس اختلاف کو اور زیادہ موکد کر دیگا کہ پھر صلح ناممکن ہو جائے گی، اس مین تنہا انگریزون کا قصور نہین بلکہ ایک حد تک شیوخ بھی اس کے ذمہ دار ہین کیونکہ فریقین اپنی اپنی جگہ فطری طور پر یہ سمجھتے ہین کہ ثالث یا ان کا جنبہ دار ہوگا یا مخالف ہوگا، اس لیے وہ زیادہ سے زیادہ مطالبات پیش کرتے ہین تاکہ جنبہ داری کی صورت مین سب پورے ہو جائین اور مخالفت کی صورت مین نقصان نہ اٹھانا پڑے،

نظام حکومت

نجد کی حکومت مختلف اضلاع پر تقسیم ہے، ہر بڑے مقام پر ایک حاکم اعلیٰ رہتا ہے، یہ یہان کے تمام سپید وسیاہ کا مالک ہوتا ہے، عدل وانصاف امن وامان اور پابندی شریعت حکومت نجد کا نمایان وصف ہے، خصوصاً عدل اس کا بنیادی اصول ہے، عدل وانصاف کے دائرہ سے کوئی عامل سر مو تجاوز نہین کر سکتا حتی کہ خود سلطان جب غزوہ پر نکلتے ہین تو کسی رعایا اور ادنے پیشہ ور سے بھی رسد نہین لیجاتی، شاہی اسٹاف

بازاری نرخ سے ایک حبہ کم نہین کر سکتا، تاجرون پر کسی قسم کی زیادتی نہین ہونے پاتی، محض قیام عدل کے خاطر عام کو عام اجازت ہے کہ راستون مین بھی سلطان کے سامنے اپنی شکایت پیش کر سکتی ہے، اس عدل وانصاف کا یہ کھلا ہوا نتیجہ تم کو ہر جگہ نظر آئیگا کہ نجد کے طول وعرض مین بلا مبالغہ اتنا امن وامان ہے کہ متمدن ممالک مین بھی اس کی نظیر نہین ملسکتی، قافلون کی گذرگاہین بالکل مامون ہین، ایک تنہا آدمی جس صحرا اور ویرانہ مین چاہے سفر کرے کوئی شخص تعرض نہین کر سکتا، سلطان کے عدل نے ان مقامات پر امن پیدا کر دیا ہے جہان ترکی حکومت اپنی قوت وشوکت کے باوجود قیام امن سے عاجز تھی، عقیر وحسا کے درمیان ہمیشہ سے تجارتی قافلہ آتے جاتے ہین، ترکون کے زمانہ مین اسی راستہ مین ہر پانچ دس میل کی مسافت کے بعد تاجرون کو قبائل کو ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا، اسی طرح بحرین اور عقیر کے تجار پھر عقیر سے نخل اور نخل سے ام الذر، ام الذر سے علاقہ کے تمام راستون مین تجار کو ہر ہر قدم پر داد و دہش کرنی پڑتی تھی، ترکون نے یہان امن وامان قائم کرنے کی کوشش کی لیکن انکو شکست کھائی، اب انھین راستون مین اگر کسی تاجر کا مال بھی رہجاتا ہے تو کوئی ہاتھ نہین لگا سکتا تاآنکہ وہ خود آکر نہ اٹھائے،

پابندی شرع

شرع کی پابندی جس قدر نجد مین ہے اس کی نظیر کسی اسلامی ملک مین نہین ملسکتی، اس زمانہ مین شرعی حدود کا اجرا نجد کے سوا کہین نہین ہوتا، اس بارہ مین نجدی حکومت نے عہد صحابہ کی یاد تازہ کر دی، پھر حدود کا اجرا اس شدت سے ہوتا ہے کہ اس سے امیر وغریب کوئی نہین بچ سکتا، چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے، تارک نماز کو کوڑے کی سزا دیجاتی ہے اور اسی قبیل کے تمام شرعی حدود جاری ہین، ریاض کی تمام مسجدون مین نمازیون کی باقاعدہ حاضری لیجاتی ہے، بلا عذر غیر حاضر شخص کو ایک مرتبہ سمجھایا جاتا ہے، دوسری مرتبہ تنبیہ کیجاتی اور تیسری مرتبہ کوڑون سے ضیافت ہوتی ہے، تمباکو کا استعمال قانوناً ممنوع ہے، کوئی شخص علی الاعلان استعمال نہین کر سکتا، گھر کے اندر لوگ چوری چھپے سگریٹ وغیرہ پی لیتے ہین، خود معتدل نجدی اس سے احتراز نہین کرتے اور شیوخ ان باتون مین عموماً چشم پوشی کر جاتے ہین، گو یہ قوانین اس متمدن عہد مین پسندیدہ نہین ہین، لیکن خالص شرعی نقطۂ نظر سے ان کے مستحسن ومحمود ہونے مین کسکو شبہ ہو سکتا ہے،

حلم وعفو یہ ایک اصول ہے کہ محض درشتی اور سختی سے حکومت نہین چل سکتی اس کے لیے شدت کے ساتھ نرمی اور مواخذہ کے ساتھ درگذر بھی ضروری ہے سلطان اس نکتہ سے اچھی طرح واقف ہین، چنانچہ ان کی ذات مین حدود اللہ کے علاوہ حلم وعفو کا مادہ زیادہ ہے، جو شخص چند ساعتین بھی ان کے ساتھ گذاریگا اس کو اس وصف کا تجربہ ہو جائیگا، وہ خلاف مزاج باتون مین بہت جلد مشتعل ہو جاتے ہین، لیکن پھر چند ہی منٹون مین تبسم اور خندہ جبینی سے تلافی کر دیتی ہے، ان کا بڑے سے بڑا دشمن بھی ان کے اس سحر سے مسحور ہو جاتا ہے، بڑے بڑے باغی شیوخ گرفتار ہو کر آتے ہین اور یہان چند دن ان کی میزبانی مین بسر کرکے سارے باغیانہ جذبات سرد پڑ جاتے ہین اسی لیے انکی رعایا عام طور پر ان سے خوش ہے، شیخ محمد بن رشید جنکا ذکر اوپر آچکا ہے مدتون ان سے لڑے، ان کے آباء واجداد کی سلطنت کو مٹایا لیکن جب وہ ان کے قبضہ مین آگئے تو انھون نے ان کے ساتھ کوئی برا سلوک نہین کیا، بلکہ شاہی مہمان کی حیثیت سے ان کا پورا گھرانا اب تک مقیم ہے اور حکومت کی طرف سے ان کی شایان شان جملہ ضروریات پوری کیجاتی ہین، مکان، سواری، لونڈی غلام اور جملہ ضروریات کے سامان سلطان کے ذمہ ہین اس لیے اب وہ سب ان کے بڑے دوست ہین،

ایک اور صفت جو ان سب پر فائق اور لائق ذکر ہے وہ سلطان کی غربا پروری ہے ریاض اور اس کے اطراف مین ہزارون کی تعداد مین فقراء اور مساکین ہین ان کی پرورش حکومت کرتی ہے، صبح و شام ان سبکو شاہی لنگر خانہ سے کھانا ملتا ہے، ان اوقات مین ہزارون کی تعداد مین شہری اور دیہاتی عربان اور اخوان مرد اور عورتین، بوڑھے اور بچے جمع ہوتے ہین، ان سب کو کھانا کھلایا جاتا ہے، پھر ان مسکینون مین فرق مراتب کا لحاظ رہتا ہے، بھیک مانگنے والون کی کشکول مین دیدیا جاتا ہے اور شریف تنگ حالون کو دسترخوان پر کھلایا جاتا ہے،

فوج نجدی فوج کی تعداد کی صحیح تعیین نہین کیجا سکتی، اور غالباً بڑی تعداد مین کوئی مستقل فوج ہے بھی نہین، قیام امن کے لیے اہم مقامون پر تھوڑی بہت فوج رہتی ہے، باقی ضرورت کے وقت مجنون اخوان سے فوجی خدمت لیجاتی ہے، ان مجنون اخوان کا تذکرہ آگے آئیگا، جنگ کے زمانہ مین عام منادی کرا دی جاتی ہے، اس منادی

پر ملک کے ہر حصہ کے نجدی ہزارون کی تعداد مین جمع ہو جاتے ہین، یہ لوگ زمانہ جنگ مین اپنے اخراجات کا بار حکومت پر نہین ڈالتے، سواری، اسلحہ اور سامان خورد و نوش ساتھ لاتے ہین، اخوان جنپر فوج کا بڑا حصہ مشتمل ہے سخت جفاکش ہین جفاکشی مین شاید ہی افریقہ کے وحشی ان کا مقابلہ کر سکین، دو دو تین تین دن تک بے آب و دانہ رہ سکتے ہین اور ابرو پر شکن نہین پڑتی، عرب کے ریگستان مین کوسون ننگے پاؤن چلے جاتے ہین اور زبان سے اف نہین کرتے ان کا نمایان وصف جہاد کا ولولہ ہے، جہاد کی اسپرٹ ان کے رگ و ریشہ مین ساری ہے، خدا کے نام پر جان دینا ان کا محبوب ترین مشغلہ ہے، ان کو فتحمندی سے زیادہ شہادت کی تمنا رہتی ہے اور جنگ کے زمانہ مین نہایت جذبہ و ولولہ کے ساتھ نعرہ لگاتے ہین کہ جنت کی ہوا چل رہی ہے، اس کا باغی کہان ہے، جس مین یہ اسپرٹ ہو اس کو دنیا کی کونسی طاقت مغلوب کر سکتی ہے، اس لیے نجدی فوج بہت کم ناکام ہوتی ہے، یہ وہی جذبۂ فدویت ہے جس نے آج سے تیرہ سو برس پہلے نصف صدی کے اندر اندر ایران و روم کی پرشوکت سلطنتون کو زیر نگین بنا کر اڑا دیا تھا گو مسلمانون مین یہ جذبہ عرصہ ہوا رخصت ہو چکا، لیکن الحمد للہ کہ ویرانۂ نجد کے وحشی مسلمانون مین آج بھی یہ خصوصیت نظر آتی ہے،

محاصل نجدی حکومت کی آمدنی سے ہم بالکل لاعلم ہین لیکن قیاس کہتا ہے کہ مختلف ضروری ٹیکسون سے کافی آمدنی ہوتی ہوگی، مفروضہ زکوٰۃ، پیداوار کا عشر کھلی ہوئی آمدنی ہے، نجد مین متعدد بازار ہین، خصوصاً بریدہ مین اونٹون کا عرب کا سب سے بڑا بازار ہے، اور حکومت کی نگرانی مین ان بازارون سے کافی آمدنی ہوتی ہوگی، بعض قدرتی اشیاء، انگریزی کمپنی کے ٹھیکہ مین ہین، اس کے علاوہ اب چند برسون سے حجاز سے لاکھون روپیہ سالانہ کی آمدنی ہے، یہ تمام آمدنیان ملاکر محاصل کی مقدار کافی ہو جاتی ہوگی،

تعلیم اور بعض ترقیات نجد مین گو تعلیم عام نہین ہے لیکن اخوان کا ایک طبقہ جو "مطاوعہ" کہلاتا ہے مذہبی تعلیم کی اشاعت کے لیے مخصوص ہے، علماء ان کو ضروری تعلیم دیکر تیار کرتے ہین اور یہ گھوم پھر کر عوام کو مذہبی تعلیم دیتے ہین، بعض خاص خاص مقامات مثلاً عنیزہ وغیرہ مین بہت خاصی تعلیم ہے، البتہ شاہی خاندان مین اعلیٰ تعلیم ہے، خود سلطان

کے لڑکے مصر مین جدید تعلیم حاصل کر رہے ہین، سلطان تعلیم اور اس قسم کے دوسری ضروری اصلاحات مین کوشان ہین، چنانچہ محکمۂ حفظانِ صحت اور تعمیرات کے لیے اُنھون نے ڈاکٹرون اور انجینیرون کی خدمات حاصل کی ہین، اور چھوٹی چھوٹی آبادیون کی تعمیر کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا ہے، یہ آبادیان "ھجر" کہلاتی ہین، جو لوگ تعلیم حاصل کر لیتے ہین وہ اپنے وحشت کدون سے نکل کے اسمین آکر آباد ہوتے ہین،

ایک ترقی یافتہ مقام

نجد کے خشک، بنجر اور غیر تربیت یافتہ علاقہ مین ایک مقام عنیزہ ہے، اس کو نجد کا پیرس کہنا چاہیے، یہ مقام نجد کی عام خصوصیات سے بالکل مختلف ہے، اس کی آبادی ۳۰ ہزار ہے، منظر کے لحاظ سے نہایت خوشنما ہے، چارون طرف سے سرسبز و شاداب کھجور کے جھنڈ اپنے دامن مین چھپائے ہوئے ہین، بازار نہایت بارونق ہین، خصوصًا سوقِ منیرہ اپنی رنگارنگی کے لحاظ سے عجیب چیز ہے، یہان عربی بولنے والون کے جرگہ مین انگریزی، فرنچ اور اردو بولنے والے بھی نظر آتے ہین اور مختلف رنگ اور نسل کے لوگون کے اژدحام سے کوئی بڑے متمدن شہر کا بازار معلوم ہوتا ہے، یہان کے باشندون کے طبائع بھی نجدیون سے مختلف ہین، ان مین کسی قسم کی وحشت نہین، اکثر تعلیم یافتہ، صاحبِ ذوق، خوش اخلاق، شیرین زبان ہین، خواہ کسی ملک و ملت اور کسی زاد و بوم کا آدمی آئے مطلقًا مغائرت نہ محسوس کریگا اور بہت جلد ان مین مل جل جائے گا، مکانات نہایت خوشنما اور آراستہ و پیراستہ ہین، اگر آپ کسی کے یہان چلے جایئے تو نہایت خندہ جبینی سے استقبال کرے گا، باعزت جگہ بٹھائیگا اور اپنے ہاتھ سے قہوہ بنا کر پلائیگا، بعض ایسے بھی ملین گے جو علوم و فنون اور مختلف سیاسی مباحث پر گفتگو کرتے جائین گے، ان مین عام نجدیون کے جیسا مذہبی تقشف بھی نہین ہے، سیر و تفریح کے اوقات مین نماز بھی کھو دیتے ہین اور ترکِ نماز کے بعد میٹھے مواخذہ سے بھی بری رہتی ہے، غرض یہ وہ نجدی نہین جنکو دیکھکر مہذب انسان ڈر جاتا ہے،

اہل نجد کے طبقات

ہندوستان مین علی العموم یہ اصول موضوعہ کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ نجدی نہایت وحشی اور سخت مزاج ہین، خصوصًا ان کا مذہبی تشدد جنون کی حد تک پہنچا ہوا ہے حتی کہ وہ اپنے علاوہ دوسرے

مسلمانون کو مسلمان نہین سمجھتے، اور ان پر تلوار اٹھانے مین بھی باک نہین کرتے، لیکن یہ حکم علی الاطلاق صحیح نہین ہے، عام مسلمانون کی طرح ان مین بھی مختلف خیالات اور طبقات کے لوگ ہین، اخوان کا ایک طبقہ بلاشبہہ نہایت جاہل متعصب ہے، ان کو روحانیت اور عقل سے کوئی تعلق نہین، یہ لوگ اپنے علاوہ اور کسی مسلم فرقہ کو مسلمان نہین سمجھتے اور ان کے سلام کا جواب نہین دیتے ہین، اس کا سبب یہ ہے کہ ابھی ان کو اسلام قبول کئے ہوے زیادہ زمانہ نہین گذرا، کچھ عرصہ پہلے یہ بالکل وحشی اور رسومِ جاہلیت کے پابند تھے، دورِ جہالت سے نکلتے ہی اُنھون نے خشک وہابی تعلیم پائی اور دنیا سے ملنے جلنے کا موقعہ نہ ملا، اس لیے اُن مین نرمی اور لچک نہ پیدا ہو سکی، خصوصًا اخوان نوار سخت وحشی ہین، ان کی وجہ سے بعض اوقات حکومت کو قیامِ نظم مین دشواری پیش آجاتی ہے، یہ لوگ بلاقوت کے سیدھے نہین رہتے، اس لیے حکومت ان کے ساتھ سختی سے پیش آتی ہے، انھین کے مقابلہ مین دوسرا طبقہ ان نجدیون کا ہے جن کو نجدی مذہب مین داخل ہوے کئی پشتین گذر چکی ہین، ان مین مطلق خشونت اور تنگ نظری نہین ہے، عام مسلمانون سے ملتے جلتے ہین، سلام کرتے ہین، سلام کا جواب دیتے ہین بلکہ تمباکو نوشی سے بھی پرہیز نہین کرتے، تفریحِ طبع کے لیے کبھی کبھی گنگنا بھی لیتے ہین، عنیزہ کے وہابی تو نماز وغیرہ مین بھی تساہل کر جاتے ہین، ان سے زیادہ ترقی یافتہ طبقہ کی توحید و سنت صرف عقائد تک محدود ہے، عملًا وہ اس مین بہت سست اور کاہل ہین، غرض اس وقت نجد مین ۳ طبقات ہین، ایک وحشی اور مجنون نجدی، یہ عقل و روحانیت سے بالکل معرا ہین، ان سے فوجی خدمت لیجاتی ہے، دوسرا معتدل، یہ عہدون اور مناصب پر ممتاز ہین، تیسرا سست اور بے عمل، یہ تجارتی اور سیاسی امور مین لگائے جاتے ہین،

خیابانِ دانش

(۳)

چوتھا باب

استعمال لفظ فلسفہ کی مجمل تاریخ،

از

مولوی ابوالقاسم صاحب سررشتہ دار الترجمہ حیدرآباد دکن،

تاریخ کیا ہے، گذرے ہوے ماحول کا ارگن یا گراموفون، گذشتہ حالات اور واقعات کے پُرتاثیر نغمے اس گراموفون کے دلچسپ ریکارڈ مین جنسے ملل سابقہ کی موسیقی حیات کی اطلاع اعقاب تک پہنچتی ہے، لیکن بیشتر و اکثر ریکارڈون کی یہ حالت ہے کہ ان مین نواہاے ہیشین کے ناقص اور بے ربط ترانون کے چند بول باقی رہ گئے ہین، یہی وجہ ہوئی کہ ذوقِ تفتیش کے مطالبہ سے بچنے کے لیے قبل تاریخ اور بعد تاریخ کی قیدین لگاکر زمانہ کی تقسیم کرنا پڑی، تاکہ جستجو اور تلاش کی دوربین مین جو مقامات تاریخ نامعلوم یا دھندلے دکھائی دین ان کی نسبت قبل تاریخ کے الفاظ لکھکر استفسار کے منھ پر ہات رکھدیا جائے، عنوانِ صدر کی توضیح و تشریح کے لیے بہت پھیلنے کی ضرورت تھی مگر مجبوری کی صورت مین پھر سوا اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ جن چند باتون کا تذکرہ زبانون پر ہے انھین کو دہرا دیا جائے،

پہلے پہل لفظ فلسفہ کس نے استعمال کیا، اس بارے مین اختلافِ آرا ہے، شہرت عام اس ضمیر کا مرجع **فیثاغورث** کو قرار دیتی ہے مگر یہ اس لیے صحیح نہین کہ اکابر فن نے اس کے سلسلۂ رواة کو ساقط الاعتبار ٹھہرایا ہے، بعض بغیر تعیین عمرو زید مدعی ہین کہ سقراط سے پہلے اس لفظ کا پتہ چلتا ہے، دلیل اس سے زاید نہین کہ **فالوزوفین** کے معنی تحصیل و اکتساب علم کے واسطے سفر اختیار کرنے کے ہین اس معنے سے یہ احتمال پیدا کیا جاتا ہے کہ عجب نہین سقراط سے بھی پہلے یہ لفظ شہرت کے زبان زد رہچکا ہو، اس قول مین تعیین و تخصیص اور جزم و حتم کو ترک کرکے احتمال و امکان کو زیادہ قوت دیگئی ہے جو ضعف کی نمایان دلیل ہے،

بہرطور اس باب خاص مین ناقدین کی نگاہِ انتخاب سقراط ہی کی جانب اشارہ کرتی ہے اور اسی فیلسوف کو اس کا مشار الیہ قرار دیکر ظاہر کیا گیا ہے کہ سب سے پہلے لفظ فلسفہ کا استعمال عموماً علوم کے لیے سقراط ہی نے کیا، اور موجوداتِ عالم کی تعمیم کے بعد علل و اسباب کی سراغرسی کے علم کے لیے اس کی تخصیص کردی، جس کی مختصر سی سرگذشت یہ ہے کہ سوفسطائی حکما سے سقراط کی تحقیق کا نصب العین جداگانہ واقع ہوا تھا، یہ طبقۂ سوفسطائی وہ ہے جو اسرارِ قدرت اور نیچر کی اہم اور پیچیدہ مشکلات کی گتھیان سلجھانے کی لاف زنی کیا کرتا تھا جس کی تصدیق لقب **سوفاس** (یعنی عقلمند) اختیار کرنے سے بخوبی ہوتی ہے کہ فخر و غرور و خود بینی کے اظہار کے لیے یہ لقب زیر استعمال تھا، اس طبقہ کی بیجا گاؤزوریون اور غیر مفید سعی و کوشش کے باوجود کبر و نخوت کی گرم بازاری دیکھکر ان کے پندار و غرور کا سر نیچا کرنے کے لیے سقراط نے پہلے پہل سوفاس کے پندار نما لقب کے مقابلہ مین **فلاسوفاس** (یعنی متجسس عقل) کے استعمال کا اشتہار دیا،

یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ سقراط کے دستِ کوشش نے فلسفہ کو دوشِ ابر سے نیچے اتارا، اس کا مطلب یہ ہے کہ سوفسطائیون کے دوراز کار صعب و دشوار مطمح نظر کے غیر مفید ہونے سے اکتا کر سقراط

نے نفس ناطقہ کی معرفت مین انہماک تام کی راہ نکالی، اسی موحد فیلسوف نے سوفسطائیون کے پیمانۂ نخوت توڑنے اور انسان ضعیف البیان کی ہیچمیرزی ظاہر کرنیکے لیے یہ لفظ تراشا تھا جس سے فروتنی اور انکسار کی ترویج مدنظر تھی مگر اسکی آنکھ بند ہونے کے بعد آہستہ آہستہ یہ لفظ پندار و استکبار کا مرادف بنگیا، حسنِ قبول کے ساتھ دینے سے اس حد پر اس نے پاؤن پھیلائے کہ حقیقت شناس ایپک ٹیٹس کو یہ بگڑا ہوا رنگ دیکھکر اس سے اجتناب و احتراز کے متعلق اپنے حلقۂ تلامذہ مین ایک طولانی لکچر دینے پر مجبور ہونا پڑا لیکن جو غلطی شہرت کے پروبال پیدا کرلیتی ہے اُس کا استیصال کردینا پھر قابو مین نہین رہتا، ایک آدھ نے اگر کبھی مخالفت بھی کی تو اس غلطی کے پرستارون کے شور و غل نے اس پست آواز کو سننے نہ دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عام طور پر اس لفظ سے سقراط کے معین کئے ہوے معنے کے بجاے کبر و نخوت کا مفہوم رائج ہوگیا، اور تجسسِ عقل کی جگہ صرف عقل مراد لی جانے لگی، ایک مدت کے بعد رفتہ رفتہ یہ بلند آہنگی کم ہوئی اور اس شورش نے بالینِ سکوت پر سر رکھا اور تدریجاً اس لفظ کا استعمال نفس ناطقہ کے واسطے مخصوص ہوگیا، یورپ کے براعظم نے تو اسی تخصیصی نظر سے اس لفظ کو دیکھا لیکن انگلستان کو یہ تعیین و تخصیص پسند نہ آئی اور اس حد بندی کو توڑ کر تعمیم شریک کردینے سے اس نے اس کا مصرف کچھ سے کچھ کردیا جس کی وجہ سے فلسفۂ قدرت، فلسفۂ زراعت، فلسفۂ تجارت، فلسفۂ طباخی وغیرہ سب اس دائرے مین آگئے اور لفظ فلسفہ ان سب کا جزو لاینفک بنکر استعمال کی زبان پر چڑھ گیا، بہ قولِ عام سقراط نے جسے بادلون کی بلندی سے نیچے اتارا تھا، انگلستان نے اُسے مطبخ کا ایندھن بنادیا، مبحثِ مذکور کے بعد اسبابِ فلسفہ کا تذکرہ بھی یہین مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اسبابِ فلسفہ

انسان مین قوتِ علمیہ کا وجود ایک ناقابلِ انکار حقیقت کے مماثل ہے، یہی وہ قوت ہے جو اسبابِ فلسفہ اپنے ساتھ رکھتی ہے، اسباب کے ساتھ ضروری اور معاون کی قیدین لگاکر دو قسمین کیگئی

ہین، پہلی قسم یعنی اسباب ضروری کی بھی اسی طرح دو قسمین ہین پہلی یہ کہ انسان کی طبعی خواہش علت و معلول مین ارتباط کا سلسلہ قائم کردے، دوسری قسم بشری خواہش کا کثرت کو وحدت مین ضم کردینا یہ خواہشین دراصل متفاوت ہونے پر بھی مآل و نتیجہ مین دونون ایک ٹھہرتی ہین، فطرت انسانی کا تجسسِ علل کی جانب میلان و خواہش کو استدلال سے ثابت کرنا امر لایعنی کے مرادف ہے، کیونکہ انسان کی یہ فطری ادائین ہین کہ مشاہدہ اور تجربہ کی ہوئی چیزون کی وہ طبعًا پہلے علت کے ڈھونڈھنے کی زحمت کوشش بطیب خاطر گوارا کرتا ہے، اس لیے کہ علت کی تلاش سے ایک انبساطی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اس کیفیتِ انبساطی کا فطرتًہ انسان شیفتہ و فریفتہ ہے، اس قسم کے اکتسابِ مسرت کی فطرت انسانی ایسی خواہشمند ہے کہ کسی چیز کی اصل علت روپوش ہونے پر کد و کاوش سے مفروضی علت ہاتھ آجانا ہی فی الجملہ اطمینان کے لیے غنیمت سمجھتی ہے،

اسباب ضروری کی دوسری قسم یعنی خواہش انسانی کا کُل سرمایۂ علم کو وحدت مین منتقل کردینا یہ خواہش انتقالِ نوعِ انسانی کا ایک اہم خاصہ ہے، یہ سچ ہے کہ انسان کثرت کی مضبوط زنجیرون مین ایسا جکڑا ہوا ہے کہ جنبش تک نہین کرسکتا مگر اس قید پر بھی فطری ذوق تحریک کی بنا پر ذہن بشر کے لیے اسی کثرت مین رہ کر وحدت کی جستجو مین منہمک ہونا اس کا ایک ضروری اور دلچسپ مشغلہ ہے گروہِ فلاسفہ مین سے قدما ہون یا متاخرین سب کے سب برابر اسی خواہش یا رغبت کو تسلیم کرتے چلے آئے اور کثرت کو وحدت مین منتقل کردینا یہی خیال اُن کی نظر مین فلسفہ کا راس المال اور مقصد اہم قرار پایا، افلاطون اور اس کے تلامذہ کی تحقیق کا ماحصل اس بابِ خاص مین یہی تھا،

ارسطاطالیس، سینٹ اگسٹائن، لائب نٹز، کینٹ اے وغیرہ کچھ تھوڑے تغایرِ لفظی سے بغیر اختلافِ مفہوم اسی مصرحۂ بالا بیان کے موید و ہمنوا ہین، چونکہ انسان کے لیے الفتِ وحدت فطری چیز ہے اس لیے وہ انس اور الفت فطری عام مظاہرِ قدرت مین بھی اسی طرح وحدت تلاش کریگا

شوق پیدا کرتی رہتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر محقق طبعی علوم مین عام اصول و قوانین کی معرفت کو اپنا نصب العین بنانے پر مجبور ہوتا ہے اور معرفت کی ابتدائی کڑیون کا مسلسل ہوجانا تلاش کی صعوبت و عرق ریزی کے بعد یہی اس کے ذرا ٹھہرانے اور اطمینان اور خواب دیکھنے کا محل اور مقام ہے، جس خواہش کے متعلق مختلف خیالات ظاہر کیے جاچکے اسی کے بارے مین یہ یاد رکھنا بھی ضرور ہے کہ ذرا سی نگاہ چوکنے پر یہی خواہش اغلاط کا انبار لگا دیتی ہے اس لیے کہ تعمیم کے وسیع میدان مین اصل اور حقیقی واقعات کے جواہر فراہم کرتے وقت نظر دھوکا کھا کر غلطی سے مشتبہ اور غیر واقعی واقعات کے سنگریزون کو جواہر پارون کے ساتھ ملا دیتی ہے، واقعات کو کانٹ چھانٹ کر اپنے قیاس کے محاذ مین لے آنا اور غیر بہت معلوم چیز کو شے معلوم کے اصول و قواعد سے منسوب کرنا، وہ چیزین جو نہایت ہی خفیف باہم مشابہت رکھتی ہین اس خفیف سی مشابہت کی بنا پر ان سب کو ایک مفہوم کا مصداق قرار دینا، غلطیون کی دلدل مین پھنسنے کے یہی قوی اسباب ہین،

اس قسم کی غلطی کی نمایان مثال اگر دیکھنا ہو تو دور پیشین مین فیثاغورث کے حلقۂ تلامذہ پر نظر ڈالو جو تمام صفات محسوسات کو صرف اعداد کا پر تو سمجھتے تھے اور جنھون نے نیرنگیٔ قدرت کے پر پیچ اسرار کا حل خواص اعداد کو قرار دیا تھا، کچھ مدت کے بعد اس نظریے کی تردید مین مسئلۂ اعداد کی جگہ یہ خیال قائم ہوا کہ اگرچہ خود اشیا تغیر پذیر ہین مگر ان کے تعلقات کا سلسلہ دائمی ہے، اس تحقیق سے علم حیوانات کے محقق کچھ مدت کے بعد ایسے گمراہ ہوئے کہ انسان کو حشرات الارض کا نتیجۂ تولید کہنے لگے، انھون نے اپنے خیالات کی اس طرح داغ بیل ڈالی کہ پہلے عالم قدرت کے واسطے وحدت کا لزوم اس کے بعد سے انسان اور حشرات الارض کی ساخت و ترکیب کے تقابل و توازن کی طرف طبیعتون کا میلان بڑھا اور توازن ترکیب کا نتیجہ ان الفاظ مین نکلا کہ انسان حشرات الارض کا ورثہ دار ہے،

صحیح یا غلط جو خیال پہلے پہل راسخ ہوچکتا ہے اس کے استحکام و استواری کے سامنے حقائق آہنی کی بھی کوئی حقیقت نہین، مشکل سے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ تفتیش کا فیصلہ زیادہ تر اسی خیال اولین کے رجحان کے لحاظ سے ہوا کرتا ہے، سابقہ سعی و کوشش سے حاصل کیے ہوے خیالات یا رایون کا چشم زدن مین کالعدم کر دینا اگر محال نہین تو قریب قریب ناممکن کے ضرور ہے، تسلیم کیے ہوے خیالات کی الفت اور پاسداری تجسس اشیا سے اپنے ہی مطابق تکمیلی نتیجہ نکالنے کی رغبت پیدا کرتی ہے، خیالات راسخہ کی عدم صحت کی صورت مین وہ اصول و قواعد جن کی بنیاد واقعات و مشاہدات کے مصالحہ سے مستحکم و پائدار بنانے کا بلند آہنگی سے دعویٰ کیا جاتا ہے دراصل ان کی حد مفروضات و اختراع سے زائد نہین ہوا کرتی،

بہرصورت استقرار کی نزاکت اور اہمیت بہت دقت نظر چاہتی ہے، بلوغ نظر کے معیار سے ہر ہر جزو کو پرکھنا، جو اشیا آپس مین قوی مشابہت رکھتے ہین انھین اچھی طرح تعین کے بعد ان چیزون سے چنکر علحدہ کر لینا جنھین اس مماثلت و مشابہت کا وجود تو ہے مگر برائے نام، اسی طرز کے بار بار کی جانچ پڑتال مذکورہ رغبت و خواہش کو غلطی کی آمیزش سے محفوظ رکھتی ہے،

نفس اسباب کی دو قسمین ہین، ایک اسباب ضروری اور دوسری اسباب معاون، پہلی قسم یعنی اسباب ضروری کے بیان کے بعد اب اس کی دوسری قسم یعنی اسباب معاون کی تفصیل ملاحظہ طلب ہے، اس دوسری قسم کو تاثرات کی گنجان بستی سمجھنا غیر موزون نہ ہوگا، کیونکہ اس کی بنا ہی تاثرات پر ہے جن مین تعجب کا درجہ اگر ممتاز نہین تو قریب بہ امتیاز ضرور ہے، دختر جہل اور مادر علوم کے الفاظ اسی تعجب کے لیے معین کئے جاچکے ہین، افلاطون اور ارسطاطالیس اسے فلسفی تاثر سے تعبیر کرتے ہین، بیکن اسی کی تخصیص کر کے کہتا ہے کہ فلسفیانہ تحقیقون کی جانب میلان و رجحان کی علت تامہ یہی تعجب ہے اس بنا پر اسے غایت حکمت کہنا غیر مناسب نہین، ایک اور نقاد فلسفہ کے آغاز و اختتام دونون

کی اصل اسی ایک تعجب کو ٹھہراتا ہے، یعنی فلسفہ کی ابتدا بھی تعجب ہی سے ہوتی ہے، اور انتہا بھی اسی سے، فرق ان دونون حالتون مین بس یہی ہے کہ ابتدا کا تعجب نتیجۂ جہل ہے اور آخر کا سرچشمۂ معرفت،

نتیجۂ جہل اس بنا پر کہ ابتدائی معمولی معمولی باتون مین ذہن کا اُلجھنا، قدم قدم پر تشویش کی ٹھوکرین کھانا، رسمی اور پیش پا افتادہ باتون مین تلاشِ توجیہ سے طبیعت کی عاجزی و مجبوری سے تعجب کا پیدا ہونا یہ سب جہل کے متعلقات ہین،

سرچشمۂ معرفت اس لیے کہ انسان تدریجاً مادیت کا خارزار اکتساب و تحصیل کے قدمون سے بے جھجک طے کرتا ہوا روحانیت کے چمن زار کی سراغرسی مین ہمہ تن منہمک ہو کر دور تک آگے نکل جاتا ہے، اُس کی ہمتِ بیشقدمی اُس کو شکِ حقیقت تک پہنچا دیتی ہے جہان چارون طرف سے نسیم حیرت کے تیز و تند جھونکے اُسے گھیر کر مبہوت و خود رفتہ بنا دیتے ہین، یہ پابندِ قیود ہستی اپنے ہی مخصوصات فطری کو گھٹا بڑھا کر اس بے قید و غیر محدود ہستی مطلق کی تفتیشِ حقیقت و ماہیت کا خاکہ بار بار بناتی اور بگاڑتی ہے، پیہم سعی و کوشش کے باوجود بھی حصول مقصود مین محرومی ناکامی پر تعجب و حیرت دامن تھام لیتے ہین اور اُن کے سامنے انسان سپر انداختہ ہو کر خود رفتگی کے رنگ مین ڈوب جاتا ہے،

تعجب کو فلسفہ کا سبب قوی تسلیم کرنے مین افلاطون اور ارسطاطالیس دونون کے دونون متحد و ہم آہنگ ہین، بعض حکمانے تعجب کے اظہارِ افضلیت مین زیادہ تر مبالغہ آمیزی سے کام لیا ہے، بظاہر اس کی یہی وجہ معلوم ہوتی ہو کہ جو فلسفیانہ مضامین نہایت حیرت آور اور تعجب خیز تھے ابتداءً اُن حکما کی توجہ اور میلان انھین سے مڈبھیڑ ہوئی، خارجی عالم کی سیر نے طبیعتون کو استعجاب سے لبریز کر دیا کیونکہ قدرت کی بیرونی سمت ہی فلاسفۂ متقدمین کی سعی اکتساب کی معراج تھی، اس دور از کار اور غیر مفید روش کے خلاف پہلے پہل سقراط ہی نے صداے احتجاج بلند کی، اور اس وقت کے مسلمات عام کی بھیڑ سے ہٹکر نفس ناطقہ کی طرف توجہ و انہماک کی ایک علحدہ شاہراہ قائم کی، تو جملہ قواے عقلیہ کی انتہائی سعی و کوشش اور جد و جہد کا ماحصل تعجب آخرش

سرچشمۂ معرفت، اور قواے عقلیہ کے تعطل و عدم ورزش کا نتیجہ تعجبِ اولین نتیجۂ جہل قرار پایا، بحیثیت فلسفہ کی زبان مین نتیجۂ جہل کی توضیح یون کی جاسکتی ہے کہ قریب قریب اور پاس پاس کی علتون کے دریافت کرنے سے عاجز آکر تعجب کے سلسلہ مین پھنس جانا، اور سرچشمۂ معرفت کی تشریح اس طرح کہ عللِ قریبہ کی جستجو اور تلاش کے بعد بعید علتون تک پہنچنا اور ان کا سراغ پا کر اتنے سراغرسی مین آگے بڑھنا (یہ پیشتر ظاہر کیا جاچکا ہے کہ جتنی علتین دور اور بعید ہوتی جائین گی اسی حد پر سادہ اور سادہ تر حالت اختیار کرینگی) سادگی سے ہم دوش علتون کی دیکھ بھال، جانچ پرتال مین مصروف ہو کر تدریجاً ایسے راس العلل اور علت العلل تک پہنچ جانا جس کے وجود کا ثبوت تو متحقق لیکن کنہ و ماہیت انسانی فہم و ادراک کے لیے بالکل غیر مفہوم، علت العلل کے وجود کے ظہور و ثبوت کے بعد اس کی نوعیتِ ماہیت کی لگاتار تجسس کی غیر معمولی عرق ریزی پر استعجاب و تعجب کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ آنا، یہی وہ تعجب ہے جسے اسلامی شریعت لفظ حیرت کے ساتھ تعبیر کرتی ہے اور محمودہ و مذمومہ کی قیدین لگا کر اس حیرت کی دو قسمین کی ہین، کنہ باری کے سونچ بچار مین جو ایک ربودگی کی سی حالت ذہن پر چھا جاتی ہے اُسے حیرتِ محمودہ کہتے ہین، اور دنیاوی امور مین منتشر الحواس ہو کر چراغ پا ہو جانا حیرتِ مذمومہ کہلاتا ہے،

ابو بکر بن زکریا الرازی،

ماخوذ از

ای، جے ہوم یارڈ، ایم اے، ایم ایس سی، افسر اعلیٰ شعبۂ کیمیا، کلفٹن کالج برسٹل،

از

س، م، برڈی، ہوشیارپور، پنجاب،

یورپ مین علم طب مین علم کیمیا کا استعمال پیراسلیس (۱۴۹۳ - ۱۵۴۱) کے زمانہ مین شروع ہوا، باوجود اس کے کہ پیراسلیس کا طرز تحریر و تقریر رعونت آمیز اور اپنے ہمعصرون کو حقیقت سے نا آشنا رکھنے والا تھا، اُس نے علماے کیمیا کو کیمیا گری کے خیال سے ہٹا کر ادویات کی طیاری کی طرف مائل کیا، اور یہ بہت بڑی خدمت تھی جو اُس نے سرانجام دی، لیکن علم طب اور علم کیمیا کا رشتہ اس سے بہت دیر پہلے کا معلوم ہوتا ہے، اسلامی ممالک کے اکثر کیمیا دان دراصل طبیب ہی ہوا کرتے تھے، اور علم کیمیا مین اُن کی دلچسپی ادویات کی طیاری اور اکسیر کی تلاش کے سبب پیدا ہوئی، ان سب مین سے رازی کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی، گو دونون کی طبیعتین ایک دوسرے سے بالکل متضاد تھین، لیکن رازی کو ایرانی پیراسلیس یا پیراسیلس کو یورپی رازی کہا جاسکتا ہے،

گذشتہ چند سالون مین انگلستان مین کرنل رینکنگ اور پروفیسر براؤن، جرمنی مین پروفیسر سکادم، ہندوستان مین پرنسپل سٹیپلٹن نے رازی کی زندگی کے حالات اور اسکے کام کے متعلق بہت تحقیقات کی ہے جنکے نتیجہ سے رازی کی زندگی اور کام کے متعلق صحیح ارقام کیجا سکتی ہے،

ابوبکر محمد بن زکریا الرازی ۸۶۵ء مین ایران کے صوبۂ جبال کے قصبہ رے مین پیدا ہوا، رے اسی نواح مین واقع تھا جہان اس وقت طہران ہے، رے کی نسبت کی وجہ سے اس کا نام الرازی مشہور ہو گیا، اور اسی نام نے یورپی زبانون مین کئی مختلف شکلین اختیار کین،

زمانۂ شباب مین اس نے اپنا وقت موسیقی، منطق، اور فلسفہ کے مطالعہ مین صرف کیا، وہ بہت اچھا گویا تھا، اور بانسری خوب بجاتا تھا، لیکن بعد مین اس نے موسیقی کا خیال یہ کہکر ترک کر دیا، کہ داڑھی اور مونچھون مین سے نکلی ہوئی راگ کی سر بھلی معلوم نہین ہوتی، منطق کا نہ تو اس نے شوق سے مطالعہ کیا، اور نہ ہی منطق اس کی طبیعت سے ٹھیک طور پر راس آئی، اوسکے دلائل عام طور پر خام ہوا کرتے تھے اور دوسرے علما کے اصولون کو سمجھنے کے بغیر ہی ان کی تردید شروع کر دیا کرتا تھا، تیس سال کی عمر کے بعد اسے بغداد جانے کا اتفاق ہوا، وہان پرانے شفاخانہ مین جو شہر کے مضافات مین شہر کے دائین کنارے پر واقع تھا اس نے ایک عجیب و غریب علاج کا تذکرہ سنا، چنانچہ اس طرح سے دلچسپی کا آغاز ہونے کے بعد اس نے ہر روز شفاخانہ جانا شروع کر دیا، کچھ عرصہ کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ زندگی کا باقی حصہ علم طب کے مطالعہ مین ہی صرف کرے گا، علم طب کے مطالعہ کی ابتدا کے متعلق ایک اور قصہ بھی مشہور ہے، کیمیا گری کے سلسلہ مین تجربات کرتے ہوے ایک دن رازی کوئی زہریلی گیس سونگھ کر علاج کے لیے شفاخانہ گیا، علاج کے بعد طبیب نے پانچ سو دینار یعنی ڈھائی سو پونڈ کا بل پیش کیا، رازی نے خیال کیا کہ اصلی کیمیا گری یہی ہے، چنانچہ اس دن کے بعد اس نے علم طب کا باقاعدہ مطالعہ شروع کر دیا، لیکن رازی کی زندگی کے سب حالات معلوم کرنے کے بعد یہ نہایت وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ روپیہ کے لالچ سے اُسے یہ خیال پیدا نہین ہوا ہوگا، کیونکہ روپیے سے اسے قطعی محبت نہین تھی،

اپنے وطن واپس آکر اس نے ہر روز شفاخانہ جانا شروع کر دیا، جہاں دوائی تقسیم کرنے والا رازی کا اپنا دوست تھا، بھوڑے ہی عرصہ مین اس نے اتنی مہارت حاصل کرلی کہ شفاخانہ کے اعلیٰ سے اعلیٰ طبیب بھی اس کی قابلیت کے قائل ہو گئے، اور رے کے شفاخانہ کی اعلیٰ طبابت اور نظامت کا عہدہ اس کو پیش کیا گیا، اس عہدہ کے فرائض مین اطبا کی تعلیم بھی شامل تھی، چنانچہ رازی خود فرش پر بیٹھ جاتا تھا، اور شاگرد اس کے گرد بیٹھتے تھے، پرانے طلبا اس کے قریب اور مبتدی باہر کے حلقہ مین، جب کوئی مریض علاج کے

لے آتا، تو سب سے پہلے وہ اپنی کیفیت باہر کے حلقہ کے طلبہ کو بتاتا، اگر وہ بیماری کی اصلیت سمجھ جاتے تو نسخہ تجویز کر دیتے ورنہ بیمار کو پرانے طلبا کے سپرد کر دیتے، اگر پرانے طلبہ بھی مرض تشخیص نہ کر سکتے تو رازی خود مریض کو دیکھتا، اور نسخہ تجویز کرتا،

رے مین رازی کی شہرت بحیثیت ناظم اور طبیب اس درجہ تک بڑھی کہ خلیفہ المکتفی (۹۰۲-۹۰۷) کے زمانہ مین بغداد کے شاہی شفاخانہ کی نظامت اور اعلیٰ طبابت کا عہدہ اسے پیش ہوا، بغداد مین اس شفاخانہ کا سنگ بنیاد رکھنے سے پیشتر اس کے جاے وقوع کے متعلق رازی سے مشورہ کیا گیا چنانچہ اس نے شہر کے مختلف حصون مین کچے گوشت کے ٹکڑے ہوا مین لٹکوا دیے، جس جگہ گوشت کا ٹکڑا سب سے زیادہ دیر مین سڑا، وہ جگہ شفاخانہ کے لیے انتخاب کیگئی، اس طریقۂ انتخاب سے اسکی ذہانت اور قابلیت کا اندازہ ہو سکتا ہے، یہ معلوم نہین ہو سکا کہ بغداد مین اس نے کتنی دیر قیام کیا، اکثر دفعہ امرا اور خود خلیفہ کے ساتھ اس نے سفر کیا، ایران کو بوجہ اپنا وطن ہونے کے عراق پر ہمیشہ ترجیح دیتا تھا،

زندگی کے آخری حصہ مین وہ موتیابند کے مرض سے نابینا ہو گیا تھا، اس کے دوست عمل جراحی کے لیے بہت اصرار کرتے تھے، لیکن وہ ہمیشہ یہی کہتا رہا، کہ اس نے دنیا بہت دیر تک دیکھی ہے، اور زیادہ دیکھنے کی خواہش باقی نہین، ۲۶ اکتوبر سنہ ۹۲۵ء کو ساٹھ سال دو ماہ کی عمر مین رازی نے وفات پائی، وہ بہت فیاض اور خوش اخلاق تھا، غربا پر خاص طور پر شفقت کیا کرتا تھا، اور اُن کا علاج ہمیشہ مفت کرتا تھا،

رازی اپنے زمانہ کا قابل ترین طبیب ہی نہین تھا بلکہ زمانہ قدیم کے اطبا کی تصانیف کا بڑا جید عالم تھا یونانی علما کی تصانیف کے مطالعہ کا اسے بہت شوق تھا، اپنے فرائض سے فارغ ہو کر ہمیشہ مطالعہ مین مصروف رہتا تھا، یا کتابین نقل کرتا رہتا تھا، زیادہ مطالعہ ہی غالباً اسکی بصارت کے ضائع ہونے کا موجب ہوا ہوگا،

رازی کے طریق علاج کے متعلق ایک نہایت دلچسپ کہانی مشہور ہے، ایک امیر گٹھیا

کے مرض کی شدت کے سبب چلنے پھرنے سے عاری تھا، اور طبیبون کے علاج سے مایوس ہو کر اُس نے رازی سے علاج کروانا چاہا، رازی نے بھی کچھ دیر کئی طریقون سے علاج کیا لیکن کامیابی نہ ہوئی، آخر اُس نے امیر مذکور سے کہا کہ وہ ایک نیا علاج کرنا چاہتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ علاج شروع کرنے سے پہلے امیر رازی کو اپنا سب سے اچھا گھوڑا اور خچر دیدے، امیر نے منظور کیا اور گھوڑا اور خچر رازی کے سپرد کر دیے، رازی امیر کو شہر سے باہر ایک حمام مین لے گیا، اور اس کے ساتھ ایک گرم کمرے مین داخل ہو گیا، کچھ دیر تک مالش ہوتی رہی، اس کے بعد رازی باہر چلا گیا، اور لباس تبدیل کر کے واپس آگیا، اب اس کے ہاتھ مین ایک چھرا تھا، اور اندر آتے ہی اُس نے امیر کو گالیان دینی شروع کین، امیر سخت حیران ہوا، لیکن آخر جب رازی نے اسے قتل کر دینے کی دھمکی دی تو امیر کے ڈر اور غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی، مرض اور درد کا سب خیال بھلا کر وہ فوراً اپنے پاؤن پر کھڑا ہو گیا تاکہ اپنے ملازمون کو مدد کے لیے بلائے، امیر کو چلتا دیکھ کر رازی حمام سے باہر نکل گیا، آپ گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے نوکر کو خچر پر سوار کیا، اور جس وقت تک امیر مذکور کے علاقہ سے باہر نہ نکل گئے دم نہ لیا، رازی نے کچھ دیر بعد امیر کو لکھا کہ گالیان اور قتل کی دھمکی سب علاج کا ایک حصہ تھا، امیر جسے مرض سے بالکل صحت ہو چکی تھی سارے معاملہ کو سمجھ چکا تھا چنانچہ اس نے رازی کو بہت تحائف بھیجے اور ایک ہزار پونڈ اور دو سو گدھون کا بار غلہ اسکی سالانہ پنشن مقرر کر دی،

بحیثیت عالم کیمیا رازی خاص شہرت اور عزت کا مستحق ہے، اُس کی تصانیف مین سب سے پہلے کیمیائی مرکبات، مختلف کیمیائی عملون اور کیمیائی آلات کے متعلق مشاہدات کی نہایت باقاعدہ قسم بندی پائی جاتی ہے، یہی نہین بلکہ اُس نے اپنے مشاہدات کو ایسی صاف عبارت مین ادا کیا ہے جو اس زمانے کے کیمیاگرون کے ڈھکوسلون سے بالکل مبرا ہے، رازی جابر کی شان کو کبھی نہین پہنچا، اور اپنی تصانیف مین جابر کی بہت عزت اور تعریف کرتا ہے، اپنے خیالات کو نہایت واضح طور پر ادا کرنے کا اس کا طریقہ ایسا تھا جو ہر خاص و عام کی سمجھ مین آسکے، یہ امر نہ صرف اس کی دائمی شہرت

کا باعث ہے، بلکہ اب تک بھی نہایت مفید اور کارآمد ہے، اس کی تصانیف کسی حد تک آج کی کیمیائی ٹکسٹ بکون کا مقابلہ کرتی ہین،

کیمیائی مرکبات کی مندرجہ ذیل قسم بندی سے علم کیمیا مین اسکی باریک بینی اچھی طرح سے ظاہر ہوتی ہے،

مرکبات

1. معدنیات
2. ماخوذ از نباتات
3. ماخوذ از حیوانات
4. پہلی تین قسمون مین سے کسی دو سے مل کر بنے ہوئے اجسام، مثلاً جلا ہوا تانبا، توتیا، لوہے کا زنگ وغیرہ،

معدنیات:

1. وہ اجسام جو حرارت سے بخارات مین تبدیل ہو جاتے ہین، مثلاً پارہ، گندھک اور نوشادر وغیرہ
2. دھاتین
3. حجر
4. سلفیٹ — سفید، سبز، زرد وغیرہ
5. سہاگے — شیرین، ترش، مثلاً قلعی جیسا وغیرہ
6. نمکیات

رازی نے اُن آلات کی فہرست بھی دے رکھی ہے جو کیمیائی تجربات مین استعمال ہوتے ہین، پھر ان کو دو قسمون مین تقسیم کیا ہے، آلات کی فہرست اچھی خاصی مکمل ہے، لیکن رازی نے اسی پر اکتفا نہین کیا، بلکہ مختلف حصون کو جوڑ کر نئے آلات تیار کرنے کے متعلق بھی ہدایات لکھی ہین، چنانچہ اس کی تصانیف مین آلات کے متعلق ایسی ہی مفصل تفصیل پائی جاتی ہے جیسے موجودہ زمانے کی تجربہ گاہون کے متعلق نوٹ بکون مین،

جابر کی طرح رازی بھی طلاسازی کے امکان پر یقین رکھتا تھا، چنانچہ پرنسپل سٹیپل ٹن نے رازی کے طریقۂ طلاسازی کا ایک خاکہ بھی دیا ہے، سب سے پہلے مختلف عملون سے اس مرکب کو صاف کیا جاتا تھا جس سے اکسیر بنانی مقصود ہوتی تھی، اس کے بعد اسے ایسی صورت مین تبدیل کیا جاتا تھا کہ وہ آسانی سے پگھل سکے، لیکن اس عمل مین اس مین سے بخارات خارج نہ ہون، اس کے بعد اسے کسی مناسب کیمیائی مرکب مین حل کیا جاتا تھا، مختلف اقسام کے سلوشن مختلف مقدارون مین مل کر اکسیر پیدا کرتے تھے،

اکسیر کی بہت تھوڑی مقدار، گو اگر کسی کم قیمت دھات کی بڑی مقدار کے ساتھ ملایا جائے تو سونا

اور چاندی بننے کی امید کیجاتی تھی،

رازی کی تصانیف کے مطالعہ کے بعد سٹیپل ٹن کا خیال ہے کہ رازی کا نام محققین کی فہرست مین سب سے اول نمبر پر آنا چاہیے، اُس کی شاندار تحقیقات اور لاثانی قابلیت نہ صرف اس کے اپنے زمانہ مین بلکہ گلیلیو اور بائل کے زمانہ تک اپنی آپ ہی مثال رہینگی انکا معاملات کی اصلیت دریافت کرنے کا شوق انتہائی درجہ تک پہنچا ہوا تھا، اور وہ کتابین جو طب کے علاوہ اُس نے دیگر مختلف علوم کے متعلق لکھین اسکی حیرت انگیز ذکاوت کا بین ثبوت ہین ان سب باتون پر غور کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچنے کے لیے مجبور ہین کہ رازی اپنے استاد جابر کے سوا ساتوین صدی سے لیکر چوتھی صدی قبل مسیح تک کے یونانی حکما کا ان سب علما مین سے زیادہ صاحب دانش و فراست بزرگ تھا، جو ارسطو کی وفات کے بعد انیس سو سال کے عرصہ مین اس دنیا مین پیدا ہوے، اس کی بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ جادو اور جوتش کی فنون سازیون پر اعتبار نہ کرتا تھا، کبھی ایسی بات پر ایمان نہ لاتا تھا جو امتحان اور تجربہ کی کسوٹی پر صحیح اور درست ثابت نہ ہو،

علم طب کے متعلق رازی کی متعدد تصانیف کا اس جگہ تذکرہ کسی قدر بے محل ہوگا، لیکن یہ امر خالی از دلچسپی نہین ہوگا، کہ اُس نے چیچک اور خسرہ کے متعلق ایک ایسی جامع اور مکمل تصنیف چھوڑی ہے، جو اس وقت تک صحیح طور پر عربی علم طب مین ایک بے بہا اور درخشندہ گوہر تصور کیجاتی ہے، علم طب پر اس کی سب سے مشہور تصنیف حاوی (HAWI) کے نام سے مشہور تھی، جو عربی زبان مین کبھی شائع نہین ہوئی اور جس کا قلمی نسخہ بھی آج ناپید ہے، دسوین صدی مین علامۂ زمان علی بن عباس جو یورپ مین HALLY ABAS کے نام سے مشہور ہے، اس کتاب کی صرف دو مکمل جلدین تلاش کرنے مین کامیاب ہوا، لاطینی زبان مین یہ کتاب ۱۴۸۶ء مین بمقام برشیا (BRESCIA) شائع ہوئی اور شروع شروع مین تمام یورپ مین علم طب کی بہترین اور مستند کتابون مین شمار کیجاتی تھی،

تلخیص و تبصرہ

اوستاد جبر ضومط

شام کے اون عیسائی ادبا مین جنہون نے پچھلے پچاس برس کے طویل عہد مین عربی زبان کی خدمت کی، اور جدید طریقہ تعلیم سے فیض پاکر عربی زبان وادب کے قدیم علوم کو نئے قالب مین ڈھالا اور انکو ملک کا سکۂ رائج الوقت بنا دیا، ایک ہستی اوستاد جبر ضومط کی بھی تھی، افسوس ہے کہ انہون نے ۱۹ جنوری ۱۹۳۰ء کی صبح کو وفات پائی،

وہ ۱۸۵۹ء مین طرابلس الشام کے متصل برج صافیتا مین پیدا ہوئے اور وہین کے مدرسہ مین ابتدائی تعلیم پائی، اُس کے بعد لبنان کے ایک گانون عبیہ کے مشن اسکول مین ۱۱ سال کی عمر مین داخل ہوئے؛ پھر ۱۸۸۱ء مین شام کے مشن کالج مین داخل ہوکر دو برس تک تعلیم حاصل کی وہان سے اکتوبر ۱۸۸۲ء مین بیروت آئے اور ۱۸۸۶ء مین وہان سے فارغ التحصیل ہوکر نکلے اور فارغ ہونے کے ساتھ ہی کفتین کے مدرسہ مین طبیعات اور عربی علم ادب کے مدرس مقرر ہوگئے، پھر ۱۸۹۳ء مین اُس جماعت کے ایک رکن مقرر ہوئے جو مہدی سوڈانی کی جنگ مین جنرل گارڈن کی رہائی اور خرطوم کے محاصرہ توڑنے کے لئے روانہ کی گئی تھی، وہان سے پلٹنے کے بعد امریکن کالج بیروت نے انکو اپنے یہان عربی زبان کا پروفیسر مقرر کر دیا اور جہان وہ ۴۴ سال تک اپنے فرائض انجام دیتے رہے اور اس وسیع مدت مین اُن کے زیر تربیت بہت سے شامی طلبا نے ادبی حیثیت سے شہرت و امتیاز پیدا کیا لیکن ۱۹۲۳ء مین انہون نے خرابی صحت

سے پنشن لے لی لیکن پنشن پانے کے بعد بھی علمی مشاغل مین برابر مصروف رہے یہان تک کہ وفات سے دو ہفتہ پیشتر بھی اُن کا یہی دلچسپ مشغلہ تھا،

اوستاد جبر ضومط نے اگرچہ عمر بھر مختلف مدرسون مین تعلیم دی اور اس لحاظ سے معلم کا لقب اُنکے نام کا جز ہو گیا لیکن وہ صرف مدرس نہ تھے بلکہ اُسی کے ساتھ ایک اعلیٰ درجہ کے مصنف بھی تھے، انہون نے جو کچھ لکھا ہے عربی زبان کے متعلق لکھا ہے اور اس سلسلہ مین اُنہون نے سب سے پہلی جو کتاب لکھی ہے اس کا نام "خواطر فی اللغۃ" ہے، اس کے علاوہ اُنکی تصنیف سے حسب ذیل کتابین ہین،

(۱) خواطر الاعراب فی النحو والاعراب،

(۲) المعانی الحسان فی المعانی والبیان،

(۳) فلسفۃ البلاغۃ،

سب سے اخیر مین اُنہون نے اپنے مضامین کا ایک مجموعہ "عربی علم اللغت کا فلسفہ اور اس کی تدریجی ترقی" کے نام سے تیار کیا تھا، جو مطبع المقتطف مین چھپا تھا،

ان علمی خدمات کی بنا پر اُنہون نے خاصی شہرت حاصل کر لی تھی اور تمام ملک اُنکی نہایت قدر کرتا تھا چنانچہ جب ۱۹۲۲ء کے موسم سرما مین وہ مصر آئے تو اُنکے تلامذہ نے جو وہان رہتے تھے نہایت شاندار طریقہ سے اُنکی پذیرائی کی ۱۹۲۶ء مین امریکن کالج بیروت مین انکی جوبلی منائی گئی، اور اس طرح اُن کے علم و فضل کا اعتراف کیا گیا، وفات کے بعد بھی مراسم تجہیز و تکفین اُن کے شایان شان ادا کئے گئے،

اوستاد جبر ضومط نے عربی زبان کی سب سے بڑی خدمت یہ انجام دی کہ اُنہون نے عربی زبان کو موجودہ اصول علم الالسنہ کے معیار پر پرکھا، اور دوسری سامی زبانون کے مقابلہ مین اُسکی اہمیت واضح کی پھر اُس کی بلاغت یعنی معانی و بیان کے پرانے اصول کو فلسفیانہ آمیزش کے ساتھ نئے قالب مین نوجوانون کے سامنے اس طرح پیش کیا کہ ان کے مذاق اور اُنکی طبیعت کے بالکل مطابق

تھی اور اس طرح عربی اصولِ بلاغت کو اُن کی نظرون مین قابلِ قبول بنا دیا، آج ہندوستان مین عربی دانون کی کمی نہین، عربی مدرسون کی کمی نہین، عربی علم ادب کے مدعیانِ خدمت کی کمی نہین، لیکن یہ دیکھکر افسوس ہوتا ہے کہ ہمارے علماء، ہمارے مدرسین اور ہمارے عربی مدرسے اب تک انہین پرانے سکّون کو نئے بازارون مین رواج دینے کے کوشان ہین،

سنہ ۱۹۲۹ء مین ادب کا نوبل پرائز

گذشتہ سال (سنہ ۱۹۲۹ء) مین ادب کا نوبل انعام جرمنی کے ایک خوش قسمت ادیب کے حصہ مین آیا جسکا نام تھامس مان ہے،

پہلے جرمن علم ادب کی عام خصوصیت مایوسانہ اور فلسفیانہ خیالات کی آمیزش تھی، گذشتہ زمانہ مین جرمنی مین جو مشہور فلاسفر پیدا ہوے جرمن علم ادب ان کے فلسفیانہ خیالات سے بہت زیادہ متاثر ہوا، لیکن بعد کو وہ ان گرانبار خیالات سے سبکدوش ہوکر فرنچ اور روسی علم ادب کے ساتھ مذہب واقعی (ریالزم) سے متاثر ہوا، پھر جب نٹشے نے شوپنہار کے فلسفۂ یاس و نا امیدی کی مخالفت کرکے اپنے فلسفہ کی بنیاد قوت پر رکھی، تو جرمن علم ادب کا ایک نیا دور شروع ہوا، اور جدید جرمنی کے شباب کی ابتدا اُسی کے خیالات کے اثر سے ہوئی اوسکا قول ہے کہ "زندگی کے آقا بنو، اس کے غلام نہ بنو"، اور اسی قول نے نوجوانانِ جرمنی کو اُس کے فلسفیانہ خیالات و نظریات کا گرویدہ بنا لیا ہے، نہایت قدیم زمانہ سے جرمن علم ادب مین جذباتی شاعری کے عناصر کی آمیزش پائی جاتی ہے، اور گوئٹے کے قصاید کا جرمنون کے دل پر بہت زیادہ اثر ہے، لیکن موجودہ زمانہ مین جرمن علم ادب نے ایک بالکل جدید اسلوب اختیار کیا ہے، اور اس جدید اسلوب کے ادیبون مین تھامس مان سنہ ۱۸۷۵ء مین شہر لوبیک مین پیدا ہوا، اور بدقسمتی سے اس کی عمر کے سولھوین سال باپ کا انتقال ہوگیا، البتہ اُسکی ماں زندہ رہی اور اُس نے اپنے لڑکے کی شہرت کا زمانۂ شباب اپنی آنکھون سے دیکھا،

تھامس مان نے اول اول شہر میونخ کی ایک بیمہ کمپنی مین ملازمت کی تھی لیکن یہ کام اُسکو پسند نہ تھا، اسلئے فرصت کے اوقات مین ایک افسانہ لکھا کرتا تھا، جو بعد کو ایک اخبار مین شایع ہوا، اسکی شہرت کی ابتدا اسی افسانہ سے ہوئی اور اُسی وقت سے ملازمت کو چھوڑ کر وہ مستقل طور پر ادبی خدمت مین مشغول ہوگیا، تصنیف و تالیف کے ساتھ وہ میونخ یونیورسٹی مین جاکر لکچر بھی سنا کرتا تھا، وہ میونخ سے نکل کر روما مین آیا اور وہان ایک اخبار کے ایڈیٹوریل اسٹاف مین شامل ہوگیا اور وہین اس نے اپنا مشہور افسانہ بوڈنبروکس لکھنا شروع کیا جس مین شہر لوبک کے ایک شریف خاندان کی مصیبتون کا حال لکھا گیا ہے، اور لوگ اُس سے بہت زیادہ دلچسپی رکھتے ہین،

اُسکو اٹلی مین ٹالسٹائی کے افسانون سے بہت زیادہ دلچسپی پیدا ہوگئی تھی اور وہان وہ مختلف اخبارات مین افسانے لکھ لکھ کر بھیجا کرتا تھا، جو اگرچہ اٹلی کی فضا مین لکھے جاتے تھے لیکن اُن کے اندر جرمن علم ادب کی روح نمایان نظر آتی تھی، اس کے بعد اُسکی متعدد کتابین پے درپے شائع ہوتی رہین لیکن اُس کا سب سے زیادہ اہم ناول "DER TOD IN VENEDIG" ہے جس مین اُس نے اپنی پوری ذہانت اور قابلیت صرف کردی ہے، اور جرمن ادبا مین کوئی شخص اُس کا مقابلہ نہین کرسکتا،

(ق) "ع"

لفظ "تبغ" کی اصلیت

جدید عربی زبان مین تنباکو کو تبغ کہتے ہین، اس زمانے کے بعض لوگون کا خیال ہے کہ یہ ایک عجمی لفظ "تاباک" "TABAC" کی تعریب ہے، خود قدیم عربی مین اس کے لئے کوئی لفظ موجود نہین کیونکہ امکشافِ امریکہ سے پہلے اہل عرب تنباکو کے وجود سے بالکل ناآشنا تھے بعض لوگ کہتے ہین کہ یہ لفظ "تاباسکو" یا "TABAS" سے مشتق ہے جو خلیجِ مکسیکو مین ایک جزیرے کا نام ہے اور غالبًا تنباکو وہین پیدا ہوتا ہوگا، لیکن طرابلس مغرب کے ایک ادیب نے جو اسلامی علم ادب کے بڑے حامی ہین اسکی مخالفت کی ہے، وہ کہتے ہین کہ اسلام سے پہلے او،

اسلام کے بعد اہل عرب اس لفظ سے واقف تھے اور نبا کو حجاز اور اس کے قرب وجوار مین پیدا ہوتا تھا، اور اہل عرب نے اپنے اشعار مین اسکا ذکر کیا ہے، چنانچہ نابط نثر الکھتا ہے؛

کانما جتنتوا خصا قوادمہ   أو ام خشف بذی شث وطباق

ابن سیدہ نے مخصص جلد ا صفحہ ۲۴ و ۲۴۳ مین لفظ طباق کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ایک گھاس ہے جسکو بکریان کھاتی ہین اسکے علاوہ بعض اہل لغت لکھتے ہین کہ وہ حجاز مین پیدا ہوتی ہے اور اسکو ہرن اور پہاڑی بکرے کھاتے ہین،

اسلامی شعرا مین ابو العلا معری نے بھی اپنے اشعار مین اس کا ذکر کیا ہے؛

لم تنصفی غذیت اطیب مطعم   وغذا أوهن الشث والطباق)

اور لسان العرب مین ہے کہ طباق ایک گھاس یا ایک درخت کا نام ہے ابو حنیفہ کہتے ہین کہ طباق قد آدم برابر ایک درخت ہوتا ہے جو تنہا کبھی نہین اگتا بلکہ بہت سے درخت ایک ساتھ اگتے ہین، صاحب قاموس کے نزدیک طباق ایک درخت کا نام ہے جو مکہ کے پہاڑون پر پیدا ہوتا ہے"

اب اس تحقیق کے بعد پہلا نظریہ بالکل بدلجاتا ہے، اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خود لفظ "تاباکو" یا "تاباک" اسی قدیم عربی لفظ "طباق" کی تحریف ہے، (مق) "ع"

رومانیا اور بلگیریا مین مسلمان

اس وقت رومانیا مین مسلمانون کی تعداد ڈھائی لاکھ ہے، جو سب کے سب تورانی نسل سے ہین، اور ترکی زبان بولتے ہین، یہ لوگ زیادہ تر دوبریجہ کے اطراف مین رہتے ہین اور ان کی ایک مختصر سی تعداد جزیرۂ آطہ قلعہ مین دریائے ڈینوب کے کنارے بھی آباد ہے، ان لوگون کا ذریعۂ معاش زراعت و تجارت ہے، لیکن ان مین دولت مند لوگ کم اور معمولی درجہ معاش رکھنے والے زیادہ ہین، البتہ ان کی اقتصادی حالت روز بروز ترقی کر رہی ہے،

رومانی حکومت کی طرف سے ان کو تمام تمدنی اور سیاسی حقوق حاصل ہین، اور رومانی فوج مین

اُن کے افسر موجود ہین سرکاری کالجون اور یونیورسٹیون مین اُن کے طلبا تعلیم حاصل کر رہے ہین، اور اُن مین وکلا کی ایک جماعت موجود ہے البتہ چونکہ اُن کے خیالات مین اتحاد نہین ہے، اور اُن کی مختلف سیاسی پارٹیان قائم ہین اس لئے وہ ان حقوق سے کافی فائدہ نہین اٹھاتے، آج سے آٹھ سال پہلے پارلیمنٹ مین اُن کے چار ممبر تھے اور اب صرف ایک ممبر رہ گیا ہے۔

مذہبی حیثیت سے حکومت نے ان کے لئے چار مفتی اور چار قاضی مقرر کر دیئے ہین، اور ہر سال اُن کے مدارس ومساجد وغیرہ پر ۲ ملین (لای) یعنی ۲۴ ہزار مصری گنی صرف کرتی ہے، مساجد اوقاف اور ان کے ملازمین کی نگرانی مفتیون سے تعلق رکھتی ہے، اور قاضیون کا کام نکاح، طلاق، وصیت، اور وراثت کے مقدمات کا فیصل کرنا ہے، لیکن اس سال جنوری سے ایک نیا قانون پاس ہوا ہے جسکا منشا یہ ہے کہ تمام تمدنی معاملات ایک سلسلہ مین منظم ہو جائین اور اس قانون کی بنا پر سب سے پہلے ایک خاص عہدہ دار کے سامنے تمدنی طور پر نکاح ہوتا ہے، اس کے بعد اگر فریقین کی خواہش ہو تو وہ مذہبی حیثیت سے بھی نکاح کر سکتے ہین لیکن اس قانون مین ترمیم وتنسیخ کرنے کے لئے مسلمانون کا ایک وفد بخارسٹ گیا ہے البتہ بعض مسلمان اسی جدید قانون کو قائم رکھنے کی کوشش کر رہے ہین،

آجکل تبدیل رسم الخط کے مسئلہ نے مسلمانان بلگیریا مین سخت اختلاف پیدا کر دیا ہے بعض نوجوان مسلمان چاہتے ہین کہ اسلامی مدارس مین عربی رسم الخط کے بجائے لیٹن خط رائج کیا جائے، چنانچہ بعض مدارس مین اسکا رواج بھی ہو چکا ہے لیکن بعض مدارس مین اب تک وہی قدیم عربی رسم الخط جاری ہے، اور اس مسئلہ کے تصفیہ کیلئے اسلامی کانفرنس مین جو صوفیہ مین منعقد ہوئی تھی بحث بھی ہوئی لیکن اس بحث ومباحثہ کا نتیجہ اب تک کچھ نہین نکلا،

حکومت بلگیریا نے ایک مسودہ اس غرض سے بھی پیش کیا تھا کہ مسلمانان بلگیریا پر بھی عام بلگیرین قانون نافذ کئے جائین اور ان کے جو شرعی محکمے قائم ہین توڑ دئے جائین لیکن رئیس المفتی اور بعض مسلمان ممبرون

کی مخالفت کے سبب سے اس نے اس کو واپس لے لیا، اور سردست نکاح، طلاق اور دیت وغیرہ کے تمام مقدمات اوّل اوّل ابتدائی شرعی محکمون مین فیصل کئے جاتے ہین اور انکی آخری اپیل افتا کے صدر کے یہان ہوتی ہے، جو صوفیہ مین قائم ہے،

(را) "ع"

"کایا پلٹ"

اگلے زمانہ کے بوڑھے شاعرون مین سے جنکو قانونِ فطرت کے عجائبات کا حال کم معلوم تھا کسی نے اپنی بیوقوفی سے یہ شعر کہا تھا،

جو جا کے نہ آئے وہ جوانی دیکھی — جو آکے نہ جائے وہ بوڑھاپا دیکھا

پہلے تو دور دور سے سنتے رہے کہ یورپ مین بوڑھون کو آپریشن اور نوجوان بندرون کی گلٹیون کا پیوند لگا کر جوان بنایا جا رہا ہے، دو مہینے ہوے کہ یہ روداد خود ہندوستان مین پیش آئی، کلکتہ کے ایک دولتمند مارواڑی میان بیوی نے دو لاکھ روپے خرچ کرکے یورپ سے ایسے ڈاکٹرون کو بلوایا اور اپنے آپریشن کرا کے اور بندرون کی گلٹیاں لگوا کر جوان بننے کی کوشش کی گئی، چنانچہ یہ کامیاب آپریشن کیا گیا، اور دونون اپنی اپنی جوانی کے منتظر ہین، یا شاید اس اثنا مین ہو چکے ہون،

ڈاکٹر جاروسکی نے پیرس کے فرنچ رسالہ ایرنو ویل مین جوانی اور بوڑھاپے اور عمر کی درازی پر ایک مضمون لکھا ہے جسمین وہ کہتے ہین:

جوانی کے لوٹانے کے معنی عمر کے بڑھانے کے نہین ہین بلکہ صرف بوڑھاپے کی کمزوری کے انسداد اور زندگی کے نشاط کو کسی قدر بڑھا دینے کے ہین، بوڑھاپا صرف جسمانی قویٰ کے تکان اور کمزوری کا نام ہے، موجودہ زمانہ کی ایجادون نے جہان ہمکو فائدہ پہونچایا ہے، وہان ہمارے جسمانی اور دماغی قویٰ کو فطری مقدار سے بہت زیادہ تھکانا شروع کر دیا ہے، موٹر، ٹیلیفون، ریڈیو، سینما وغیرہ انسان کو بہت زیادہ تھکا کر اس کے اعصاب کو صدمے پہونچا رہی ہے، اس تھکن اور اعصابی بے اضطرابی کے لحاظ سے کہنا صحیح ہے کہ ہمارے ایک دن کی محنت گذشتہ زمانہ کے دس دن کی محنت کے برابر ہے،

اسی طرح ہر روز اخبارات کی قلق افزا خبرین، دنیا کی روداد مین تار برقیان اور ریڈیو کی آوازین ہر گوشہ سے ہمکو متاثر کرتی رہتی ہین اور ہمارے بوڑھاپے کو ہمارے بزرگون سے پہلے ہم تک پہونچا دیتی ہین،

اس زمانہ مین بہت سے ایسے افسانے اور قصے لکھے گئے ہین جنمین جوانی کے دوبارہ آنیکے خوش آیند خیالات ظاہر کئے گئے ہین مگر حقیقت ابھی تک عالم خواب و خیال کی دنیا مین ہین، بوڑھاپے کے انسداد کے معنی یہ نہین ہین کہ بوڑھون کو از سر نو جوان بنا دیا جائے بلکہ یہ ہین کہ جوانون کو جلد بوڑھے ہونے سے باز رکھا جائے،

تاہم اسمین شک نہین کہ ہمارے بعض ماہر طبابت اسکے لئے بھی کوشش کر رہے ہین کہ بوڑھون کو بھی جوان بنا دین، موریس دی والیف نے یہ تحقیق کرکے بتایا ہے کہ بہت سے بوڑھے واقعی جوان ہو گئے کیونکہ بوڑھاپا جیسا کہ کہا جا چکا کہ صرف تھکن اور کمزوری کا نام ہے اس لئے بہت سے ایسے بدقسمت لوگ بھی ہین جو چالیس ہی برس کی عمر مین بوڑھے ہو گئے، اور بہت سے ایسے ہین جو ساٹھ برس کی عمر مین بھی پٹھے بنے پھرتے ہین، اور ایسے بھی ہین جو گذشتہ عمر کو پہونچ گئے ہین لیکن انکی روشنی اور دانت سلامت ہین اور اسی عمر مین دوسرے ان تمام فطری عطیون سے محروم ہو جاتے ہین،

بہرحال جوانی کے دوبارہ حاصل کرنے کے پانچ طریقے اب تک دریافت ہو چکے ہین، پہلا سٹیناخ کا طریقہ جو گو خود اسکے اور اسکے شاگردون کے لئے تو مفید ہوا مگر دوسرے مین کامیاب نہ ہوا، دوسرا ڈورونوف کا طریقہ جس کے نتائج گو شاندار ہین، مگر اوسکا آپریشن بہت خطرناک ہے، تیسرا آسٹریا کے ڈاکٹر دوپلر کا طریقہ اور چوتھا بوسکے کا طریقہ جسکا خلاصہ بیل کے جراثیم کی پچکاری اور جو عورت اور مرد دونون کے لئے کارآمد ہے، پانچوان طریقہ میرا ہے اور وہ کسی نوجوان کے خون کا بوڑھے جسم کے اندر داخل کرنا ہے، یہ طریقہ خطرات اور مشکلات سے پاک ہے، اس مین رد فعل کا عمل کیمیائی ہے، بیالوجی سے کوئی تعلق نہین رکھتا، ہمین معلوم نہین کہ خون مین کون سا موثر جز ہے جو اس اثر کو پیدا کرتا ہے، (ہلا)

"س"

آثارِ علمیہ ادبیہ

حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب مجددی رامپوری اخیر زمانہ کے بڑے صاحبِ حال عالم تھے، حضرت مجدد الفِ ثانی رحمہ اللہ کے خاندان سے تھے، اپنے زمانہ میں فقہ حنفی کے مشہور شارح تھے، بڑے بڑے باکمال لوگوں نے ان سے درس لیا، حضرۃ الاستاذ علامہ شبلی نعمانی رحمہ بھی ان کے تلامذہ اور مستفیدین میں تھے، سنہ ۱۳۱۱ھ میں وفات پائی، ذیل کا فارسی خط بھی اسی سنہ کی تحریر ہے، (معارف)

معبودِ تو پیرِ تست اول ——— زان روی کہ چشم تست احول

رشحات عین الحیات حضرات مشایخ نقشبندیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات میں مولانا علی بن الحسین کاشفی المتخلص بہ صفی علیہ الرحمۃ کے تالیفات سے مشہور کتاب ہے، اس کا ایک نسخہ قدیم خوش خط لکھا ہوا حضرت اقدس مولانا و مرشدنا حافظ سید فرزند علی محدث نقشبندی مجددی علیہ الرحمۃ نے ہجرت سے پہلے مجھے مرحمت فرمایا تھا وہ اب تک میرے کتب خانہ کی زینت اور باعثِ خیر و برکت ہے،

اس کتاب میں پیر حسینی علیہ الرحمۃ کا شعر مذکورۂ بالا ایک موقع پر لکھا ہے جب میں نے پڑھا تو بخوبی سمجھ میں نہیں آیا اتفاقی وقت سے حضرت مولانا قدس سرہ سے اس کا مطلب نہ پوچھ سکا تو میں نے حضرت مولانا محمد ارشاد حسین احمدی مجددی علیہ الرحمۃ سے جو بڑے نامی درویش اور عالم اور فقیہ تھے اور دار الریاست رامپور میں تشریف رکھتے تھے اس کا مطلب بذریعہ عریضہ کے دریافت کیا، جناب ممدوح کی عنایت میرے حال پر تھی آپ نے اس کا جواب بذریعہ خط کے تحریر فرمایا، وہ خط اس وقت تک خوش قسمتی سے محفوظ رہ گیا ہے، اس خط کو چھتیس ۳۶ سال سے زیادہ مدت گذر گئی، اسکی نقل معارف میں چھاپنے کیلئے بھیجتا ہوں امید ہے کہ ناظرین معارف میں سے جنکو تصوف اور اس قسم کے اشعار سے دلچسپی ہوگی شوق سے پڑھینگے اور مستفید ہونگے، والسلام علی البررۃ الکرام فقط (محمد اعجاز حسن)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، از محمد ارشاد حسین عفی عنہ مولوی صاحب محبی و مخلصی مولوی محمد اعجاز حسن صاحب وفقہم اللہ سبحانہ لرضائہ پس از سلام مسنون مطالعہ نمایند رقیمہ کریمہ رسید جواب مسئلہ مستفسرہ علیحدہ نوشتہ شد مرقوم رقیمہ می فرستم و آنچہ از شعر مذکورہ رشحات پرسیدہ اند بیانش مختصر این کہ معاملہ عابد با معبود آنست کہ چون و چرا در اطاعت و امتثال اوامر و انتہاء نواہی معبود عابد را نمی رسد و اگر از عابد درین امور در ظاہر یا در باطن واقع شود خلافِ عبادت است پس ضابطہ مرید مستعد بہ نسبت شیخ کامل در ابتدا ہمین است کہ ہر چہ پیر مقتدا از مرید می خواہد ہمان بجا آرد و علم و ادراک خود و اندیشۂ نفع و ضرر موہومہ خویش یکسر ترک نماید و چون و چرا را در افعال و احکام و امور شیخ راہ ندہد چنانچہ حافظ شیرازی اشارہ بدین معنی می فرمایند

بمی سجادہ رنگین کن گرت پیر مغان گوید ——— کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

پس در شعر مذکور می فرمایند کہ معبودِ تو در اول یعنی ابتداء ارادت و شروع سلوک پیر تست یعنی چنانکہ عابد را با معبود گنجائی چون و چرا نیست ہمچنین ترا کہ تعلیم راہ سلوک می خواہی با پیر خود گنجایش چون چرا نیست زیرا کہ چشم تو احول است و این چون و چرا از ہمان حول پیدا شدہ کہ بسبب حول حکم حق را کہ بزبان پیر کامل نافذ است غیر حق و حکم حق می دانی پس اندیشہ کنی و گوئی کہ این امر چرا کنم کہ خلافِ مقصود من است و آن چرا نہ کنم کہ مرا نافع ست درین صورت از راہ و رسم مریدین دور افتی و سرمایہ استعداد از دست دہی لہذا می فرمایند زان روے کہ چشم تست احول و مقتضائے آن یک شئے را دو دیدن ست بمقتضائے آن حکم پیر را غیر حکم حق قرار دہی لہذا می باید کہ پیر خود را معبود خود دانی و چون و چرا در احکام او نگزاری ورنہ از شیخ کامل منتفع نخواہی شد و بعد حصول مناسبت معتد بہا و ملکہ اخذ از جانب حق حاجت این چنین انقیاد و عبادت نیست فقط اینست مختصر از بیان شعر واللہ سبحانہ اعلم، (مرقومہ سنہ ۱۳۱۱ھ)

اخبارِ علمیہ

بجلی کا باغ

چند ماہرینِ زراعت سویڈن کے پایۂ تخت اسٹاکھوم میں پودوں میں بجلی کے اثرات ڈال کر زراعت کی ترقی کے وسائل کا تجربہ کر رہے ہیں کہ برقی رو درختوں کی بالیدگی میں معاون ہو سکتی ہے یا نہیں، چنانچہ آجکل اُن کے تجربوں کی جولانگاہ ایک باغ ہے، اس باغ میں زیرِ زمین ایک ایک قدم کے فاصلہ پر بجلی کے تار نصب کر کے اُن کو اوپر سے پختہ اینٹوں سے پاٹ دیا گیا ہے اور پھر ان اینٹوں پر مٹی ڈال دی گئی ہے، اور اس طرح بجلی کے اثر کو درختوں میں منتقل کرنا چاہا ہے، اگر ان درختوں نے اثر قبول کر لیا تو وہ جلد سے جلد نشو و نما پا کر پھیلنے لگینگے لیکن ابھی تک اس کے کسی نتیجہ کا اعلان نہیں ہوا ہے،

بحر و بر کے درمیان سلسلۂ لاسلکی

بے تار کی برقی خبر رسانی کی ایجاد کو ابھی تھوڑا زمانہ گذرا ہے، مگر اب اس کا استعمال عام ٹیلیفونوں کی طرح جابجا ہونے لگا ہے، اور نیز اس کی مزید ترقیوں کی جد و جہد کا سلسلہ جاری ہے، چنانچہ اسی سلسلہ میں ایک کوشش یہ جاری تھی کہ بحر و بر اور خشکی و تری کے درمیان بھی اسکا سلسلہ جاری کر دیا جائے کہ بحرِ اٹلانٹک میں سفر کرتا ہوا ایک تاجر اپنے نیویارک کے دفتروں سے ہدایت و نگہداشت کا سلسلہ جاری رکھ سکے، چنانچہ ان کوششوں کا تذکرہ ان صفحوں میں ایک سے زیادہ مرتبہ کیا جا چکا ہے، اب اس سلسلہ کی آخری کڑی یہ ہے کہ عملاً پورے طور پر کامیاب ثابت ہو گئی، اور امریکہ نے اس کے افتتاح کا اعلان کر دیا چنانچہ نیویارک کی "ٹیلیفون اور ٹیلیگراف کمپنی امریکہ" کے صدر مسٹر جفرڈ نے امریکہ کے ایک جہاز "لویاتھان" سے بے تار کی بجلی کے ذریعہ گفتگو کی، یہ جہاز یورپ کی طرف جا رہا تھا اور اگرچہ گفتگو کے وقت امریکہ کے ساحل سے صرف ۱۰۰ میل کے فاصلہ پر تھا، لیکن خیال ہے کہ اس میں فاصلہ کی کمی و بیشی کچھ اثر انداز نہ ہو گی، یہ گفتگو جسطرح ۱۰۰ میل کے فاصلہ سے کی گئی ہے اسی طرح ۵۰۰ میل کے فاصلہ سے بھی بآسانی ممکن ہے، مسٹر جفرڈ نے توقع ظاہر کی ہے کہ عنقریب دنیا کے ہر بڑے جہاز میں لاسلکی کا ایسا سلسلہ قائم ہو جائیگا جس سے بحر و بر کے درمیان سلسلۂ گفتگو قائم رہ سکے،

خطۂ منجمد جنوبی و قطب جنوبی کی ایک جغرافی مہم

دورِ حاضر کے علمِ جغرافیہ کی ترقیوں میں قطب جنوبی و شمالی اور خطۂ منجمد شمالی و جنوبی کی تحقیقات و اکتشافات کو نمایاں درجہ حاصل ہے جسکا سلسلہ گذشتہ صدی کے نصف آخر سے جاری ہوا ہے، اس سلسلہ میں امریکہ کے مشہور و معروف باہمت نوجوان کمانڈر برڈ کی لاثانی جد و جہد سے ان مقامات خصوصاً خطۂ منجمد جنوبی کے متعلق اس ناواقف دنیا کو بہت کچھ معلوم ہو چکا ہے، اگرچہ خطۂ منجمد جنوبی کی تحقیقات کا اہم سلسلہ سنہ ۱۹۰۹ء سے کمانڈر پیری کی سرکردگی میں جاری ہوا لیکن اصل اکتشافات سنہ ۱۹۲۶ء میں حاصل ہوئے، جبکہ کمانڈر برڈ خطۂ منجمد جنوبی کی تاریخی مہم سے واپس آیا اور پھر آجکل اسی کے ہاتھوں اس کی اہم ترین مہم انجام پا رہی ہے، جس میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہو چکا ہے، چنانچہ حکومت ولایت متحدہ امریکہ نے اس کی موجودہ مہم کی مساعی کے صلہ میں اس کو "امیر البحر" کا خطاب عطا کیا ہے، اور وہ اپنے سفر سے فارغ ہو کر واپسی کے لئے روانہ ہو چکا تھا اور باشندگانِ امریکہ اپنے اس قابلِ فخر ہموطن کے لیے چشم براہ تھے کہ اوس کی آمد کے بعد اس کی اس جدید سرفرازی پر تہنیت کے جلسے کر کے اس کی خدمات کا اعتراف کرینگے، کہ یکایک بحر منجمد ساکن ہو گیا، جس سے اس کا جہاز وسط

سمندر مین گھِر گیا ہے، لیکن مسرت ہے کہ جہاز کے مسافرون کے پاس خورد و نوش کا اتنا وافر سامان موجود ہے کہ وہ اس موسم کو بآسانی گذار لینگے اور برف پگھلنے کے بعد امریکہ واپس آجائینگے،

دوسری طرف انگلستان کا ایک وفد سر ڈوگلس موسن کی سرکردگی مین گذشتہ ماہ اکتوبر مین قطب جنوبی کی طرف روانہ ہوا ہے، رئیس وفد نے روانگی سے پیشتر ایک بیان شایع کیا تھا کہ ان کے جہاز کا راستہ قطب جنوبی کے اس پہاڑی سلسلہ کے محاذاۃ مین ہوگا، جسکی چٹانین سمندر تک ڈھلوان چلی آئی ہین اور وفد کے چند ارکان وہان کی خشکی کے بعض حصون پر تحقیقات کے لئے اُتر جائینگے اور جہاز آگے روانہ ہوجائیگا، توقع ہے کہ یہ جماعت اسی ماہ اپریل مین اپنی مہم سے فارغ ہو کر واپس آجائیگی،

صحرا کا اثر بارش پر،

کنیا (شمالی افریقہ) کے "محکمہ جنگلات" کے افسر اعلیٰ مسٹر نکلس نے "صحرا کا اثر ملک کی ہوا اور بارش پر" کے عنوان سے ایک مبسوط تقریر کی ہے جس مین انہون نے اس نظریہ کی تردید کی ہے کہ بارش کی کمی اور زیادتی مین صحرا کا اثر نہین ہوتا، اور یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ ملک کے صحرا وہان کی بارش کے ہونے اور نہ ہونے مین اثر انداز ہوتے ہین، اور اعداد و شمار سے واضح کیا ہے کہ جن ممالک مین جنگلون کی کثرت ہے وہان بارش عام مقامات کی بہ نسبت ۳ فی صدی زیادہ ہوتی ہے، لیکن اہل علم کا خیال ہے کہ مسٹر نکلس اپنے نظریہ کے دلائل پیش کرنے مین کامیاب نہین ہوسکے ہین،

سنہ ۱۹۳۰ء کی یادگار صد سالہ مجلسین،

سال رواں سنہ ۱۹۳۰ء کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اسمین مختلف ماہرین علوم جدیدہ کی یادگار کی صد سالہ مجلسین منعقد ہونگی، چنانچہ حسب ذیل اہل علم کی ولادت یا وفات پر سو سال پورے ہوتے ہین،

مشہور ماہر فلک کپلر کی وفات کو اس سال تین سو سال پورے ہونگے،

جو من ماہر کیمیا لنکل کی ولادت کے دو سو سال پورے ہوتے ہین، لنکل وہی مشہور ہستی ہے جس نے قدیم و جدید علم کیمیا کے درمیان نئے تجربون اور نظریون سے مابہ الامتیاز حد فاصل قائم کی اور اسی کے ہاتھون جدید علم کیمیا کی بنا پڑی،

اور اسی طرح مشہور ماہر فلکیات بوجار دی سارون، اور فرانسیسی ماہر فلک سیبیا کی پیدائش کے دو سو سال پورے ہوجائینگے،

اور ماہر علم طبیعیات فوریے کی وفات کے سو سال گذر جائینگے،

اس سال ان تمام اہل علم کی صد سالہ یادگارین مختلف مقامات پر مختلف تاریخون مین منائی جائینگی،

بارش کے جبریہ حصول کی کوشش.

ہانگ کانگ مین گذشتہ ماہ جون تک کامل ایک سال تک بہت کم بارش ہوئی جس سے زراعت کو اس درجہ سخت نقصانات پہونچے کہ حکومت برطانیہ کے لئے ناقابل برداشت ہوگیا، حکومت نے اپنی طاقت کی نمایش ابر و باد پر بھی کرنی چاہی اور ہوائی جہاز دن کے ایک بڑے سیاہ بادل ابر پر چڑھائی کی کہ وہ اول گھنگھور گھٹاؤن پر حملہ آور ہون جو ہانگ کانگ کی فضا پر اُٹھ اُٹھ کے چھاتی ہین اور سرزمین کو سیراب کئے بغیر چھٹ جاتی ہین، لیکن حکومت برطانیہ کی یہ مہم ناکام رہی، دست قدرت نے اپنی شان جبروت سے مقابلہ کیا، اور آسمان کی بادشاہت دنیا کی سب سے بڑی بادشاہت پر اُس کے تمام ایجادات و اختراعات سے مسلح ہونے کے باوجود غالب آئی، اور قدرت سے جنگ آزما سپاہ کو ناکام و نامراد واپس آنا پڑا،

ادبیات

رباعیات

علوم جدیدہ اور حقائق

از

لسان الحکمۃ شمس العلماء عبدالرحمن شاطر مدراسی

حضرت شاطر نے جنکا کمال فلسفہ کو شاعری کے قالب مین ڈھالنا ہے حسب ذیل رباعیان ہمکو عنایت کی ہین ناظرین مین جو صاحب کسی رباعی کے معنی نہ سمجھین وہ اُس کا حل ڈاکٹر سر اقبال سے کرلین، ہم سے نہ دریافت فرمائین کہ اس مین ہم بھی اُنہین کی طرح کورے ہین، (معارف)

اسما کو ظہور مین تعطّل ہے محال — یعنی متجدّد ہین دمادم امثال
منوب پہ کوانٹم تھیوری سے کھلا — اشراق جہان نمائے صوفی کا حال

سائنس کی فکر مین ہے گرگٹ کا حال — منطق ہے فلسفی کی، مکڑی کا جال
اڈنگٹن بھی ہے قیامت کا مقر — سمجھا ہے اسکو (انٹراپی) کا مآل

جب صفر کی قوت کو پہنچتے ہین عدد — کھودیتے ہین فرق نسبتی بن کے احد
تمثیل سے بھی درست ہے استدلال[لہ] — شاطر! اپنے نیستی سے لے تو بھی مدد

لہ
ا = ھ
ا = ۵
ا = ۱۰
ا = ۲۰
ا = ۵

وہ منفرجہ بن گیا جو حادّہ تھا — طفرہ جو کرے زاویہ حیرت ہے کیا
دیکھا نہین کاربن کو سیال کبھی — نابالغ پیر کو بھی اکثر دیکھا

ایتھر خلا مین نہو تو حرکت ہے محال — معدوم ہوا ایتھر تو ہے باقی اشکال
ہم دیکھتے بھی ہین، آنکھ بھی ہے محفوظ — اس راز کو سمجھے عقل کی کیا ہے مجال

اب ہے، یہ فزکس اور ریاضی کا بیان — محصور نہین، گو متناہی ہے مکان
ہے کوئی؟ جو امریکہ و یورپ سے کہے — شاطر سے سنو رازِ مکان، سرِّ زمان

سچ ہے کہ نہین سنتِ حق مین تبدیل — مانا کہ مظاہر مین ہے ربطِ تعلیل
گھٹتا بھی ہے بڑھتا بھی سردی سے آب — قانون کی کس اصول پر ہو تشکیل

فریادِ جرس

از

جناب محمد اسد خان، بی، اے، (ملتان)

فغان کہ اہلِ وطن را بہ دشتِ بے خبری — زِ راہ گمشدگان، می کنند راہبری
خضر گم است خود اندر ہجوم راہزنان — کہ در لباسِ خضر می کنند جلوہ گری
بعذرِ راہنمائی شکستہ پائے چند — بہ دوشِ ہمسفران اندر گرم رہسپری
بہیچ کارِ جہان رہ نیافتند مگر — کہ اختیار نمودند پیشۂ خضری
برآمدند بہ دعوائی تابشِ خورشید — ولے شدند نہان چون ستارۂ سحری

چو ہر یکے بہ فریب کسے گرفتار است
چہ سود بر دگران طعنہ ہای کم نظری

بروآمد، رہِ منزل رسیدگان برگیر
مجو بہ رہبرِ افسون طراز ہمسفری

کیفِ سخن

از

مولانا کیفی چریاکوٹی خلف الصدق استاذنا حضرت مولٰنا محمد فاروق چریاکوٹی،

یہی گم ہو کے ہم کونین کا حاصل سمجھتے ہیں
کہ اس کوچے کے ہر ذرّے کو اپنا دل سمجھتے ہیں

ہمارے دل پہ اپنا نقش کھینچو نوکِ خنجر سے
سوا اس کے ہے جو کچھ ہم اسے باطل سمجھتے ہیں

یہی ہے انتہائے وسعتِ صحرائے ناکامی
جہاں دل بجھ جاتا ہے وہیں منزل سمجھتے ہیں

وفورِ شوقِ نظارہ سے آنکھیں بند کرلیں گے
کہ ہم اپنی یہ خلوت آپکی محفل سمجھتے ہیں

تری آنکھیں پھریں تو عمرِ ہستی کٹ گئی ساقی
ترے کھنچنے کو ہم کھنچنا خنجرِ قاتل سمجھتے ہیں

مری عمرِ رواں سے ناخدائے دل یہ کہتا ہے
یہ کشتی آکے ڈوبیگی لبِ ساحل سمجھتے ہیں

کسی کروٹ جو دم لیتا نہیں تو شامِ فرقت میں
یہ ہوگی صبحِ محشر اضطرابِ دل سمجھتے ہیں

دلِ بیتاب کو لیکر چلے ہیں سوئے میخانہ
بقدرِ ظرف ہم ساقی کو دریا دل سمجھتے ہیں

سمجھ میں آنہیں سکتا کسی سے اور کیا مانگیں
گدا تیرے تجھے کونین کا حاصل سمجھتے ہیں

نظر آتا ہے آئینہ ہر طرف ہر ذرّہ بیگانہ
سیہ بختی کو اپنی آنکھ کا ہم تل سمجھتے ہیں

یہ کیف جوشِ بیتابی ہے چارہ گر نہ سمجھیگا
تڑپنے لوٹنے کی انتہا بسمل سمجھتے ہیں

سنے جز مرگ کیا چارہ گردون سے ناامیدی میں
جسے آسان ہم سمجھے ہیں مشکل سمجھتے ہیں

اگر نکلے تو ہی آرزو کو جان سمجھیں گے
نہ نکلے یہ اگر دل سے تو داغِ دل سمجھتے ہیں

یہ لمحے زندگانی کے چمک ہیں سوزِ پنہانی کی
نگاہِ برق اس خرمن کا ہم حاصل سمجھتے ہیں

نہ شوقِ پائمالی ہے نہ ذوقِ سرفرازی ہے
خدا جانے مرے دل کو وہ کس قابل سمجھتے ہیں

دلِ بیخود کی بن آئی جنون کار فرما سے
وہ دیوانے ہیں جو اس مست کو غافل سمجھتے ہیں

کمالِ انسان کا شوقِ آرزو نے کھو دیا کیفی
یہ دل سینے میں ہم داغِ مہِ کامل سمجھتے ہیں

بابُ التقریظ والانتقاد

ماہِ نو

آج سے چھ برس پہلے کا زمانہ گذرا کہ فروری ۱۹۲۴ء مین ڈاکٹر سر اقبال نے محمد اکبر منیر نام ایک نوجوان شاعر کا فارسی کلام میرے پاس بھیجا جسکا مطلع یہ تھا،

شتربانا! بیا! بربند محفل — کہ دارم عزم خاک پاکِ بغداد

اور لکھا کہ یہ نوجوان جوہر صالح اور فارسی کا اچھا مذاق رکھتا ہے اور آجکل ایران کی سیاحت مین مصروف ہے، منیر صاحب کی یہ نظم مارچ ۱۹۲۴ء کے معارف مین تھوڑی سی تمہید کے ساتھ شایع ہوئی، غالبًا ہندوستان مین منیر صاحب کا یہ پہلا تعارف تھا جو معارف کے ذریعہ انجام پایا، اسکے بعد بھی معارف مین وقتاً فوقتاً انکی اکثر فارسی اور بعض اردو نظمین شایع ہوتی رہین،

"ماہِ نو" کے مجموعہ کا خیال جب منیر صاحب کو آیا تھا تو انہون نے اپنی مہربانی سے یہ تمام کام میرے مشورہ سے کرنا مناسب سمجھا اور اسی تعلق سے وہ مطبع معارف مین چھپا، اور کہتے ہین کہ اچھا چھپا، ادبائے ہند مین شمس العلماء آزاد پہلے شخص ہین جنہون نے عروس شیراز کے عشق مین ایران کی خاک چھانی اور واپس آئے تو سخندانِ پارس کا تحفہ اہل وطن کے سامنے پیش کیا، یہ تو اگلے زمانہ کے بوڑھون کی بات تھی، اب اس نئے زمانہ مین نوجوانون کو بھی اس میدان مین اپنی ہمت دکھانی چاہئے تھی، یہ کام پروفیسر محمد اکبر منیر صاحب نے انجام دیا، اس زمانہ مین ایک گریجویٹ کیلئے ولایت مغرب کے بجائے مشرقی "ولایت" کا سفر "کرامت" سے کم نہین، جہان سے نہ ایل ایل ڈی، نہ پی ایچ ڈی، نہ اور کسی حرف ابجد کی ڈگری ملسکتی ہے، اور نہ وہان سے کامیاب واپسی پر کسی سرکاری قدر و منزلت کی امید ہوسکتی ہے، یہان فارسی زباندانی کا ذوق و کمال پیدا ہوتا تو اس بازار مین اس متاع کا کوئی گاہک نہین ہے، یا مین ہمہ منیر صاحب کا اکسفورڈ، کیمبرج یا لندن جاکر کسی قلمی فارسی کتاب کو اوٹ کر کے فارسی کی ڈاکٹری کی ڈگری لانے کو چھوڑ کر سعدی و حافظ کے مزارون کی زیارت اور ان کے ملک و وطن کی گلیون کی خاک بیزی اور خاک بازی، اس زمانہ مین اُن کا وہ سب سے بڑا علمی ایثار ہے جو وہ کرسکتے تھے، "او یورپ کے معبر پرشین اسکالرس" کی لکھی ہوئی ڈاکٹری کی ڈگری سے ماہ نو کا مجموعہ اہل نظر اور ارباب کمال کی نگاہون مین زیادہ باوقعت، زیادہ مستند، زیادہ روشن اور زیادہ بلند ہے وہ فارسی دانی کی کاغذ کی فرضی دستاویز نہین ہے بلکہ "آفتاب آمد دلیل آفتاب" ہے،

ہر زبان کی طرح فارسی زبان بھی پہلے سے بہت کچھ بدل گئی ہے، الفاظ نئے پیدا ہوگئے ہین محاورات نئے بن گئے ہین، خیالات مین انقلاب ہوگیا ہے، بحرین نئی نئی استعمال مین آگئی ہین اور ان سب سے مل کر اب نئی فارسی زبان معرض وجود مین آگئی ہے، اور اب یہی ایران کی مقبولِ عام زبان اور دلپسند شاعری بن گئی ہے، ہندوستان نے مسعود سعد سلمان سے لیکر آج تک پرانی فارسی کے بے شمار شاعر اور استاد اس ملک مین پیدا کئے جن مین خسرو حسن، غالب وغیرہ جیسے شاعر پیدا ہوئے جنکی ترب ہند کسی بات مین بادۂ شیراز سے کم نہ تھی جب فارسی زبان نے نیا قالب بدلا ہی اور عروس فارس نے غازہ گلرنگ کے بجائے غازۂ فرنگ سے اپنی زیبایش و آرایش کی ہے، ضرورت تھی کہ فارسی کے اس "جمال نو" اور "حسن تازہ" کے کچھ قیس و وامق ہماری سرزمین مین بھی پیدا ہوتے اس اولیت کا فخر پروفیسر اکبر منیر کو حاصل ہے کہ وہ سب سے پہلے ہندوستانی ہین جنہون نے اس دشت نوردی کا حوصلہ کیا اور اسکے عشق مین اپنا مال و متاع لٹایا اور آخر اُس "حور پارس نژاد" کو لیکر خوش خوش گھر لوٹے، اس لئے ماہِ نو کے مصنف کا سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ وہ ہندوستان مین نئی فارسی کے سب سے پہلے نئے شاعر

ہین جنکو ایران کے پرانے شاعرون نے بھی ہندوستان کا نیا کامل شاعر تسلیم کرلیا،

شروع مین مقدمہ کے بعد "شاعر و آفتاب بہار" کے عنوان سے جدید شاعرانہ فارسی نثر ہے، اُسکے بعد فارسی نظمین شروع ہوتی ہین، اونکا آغاز ایک پیشکش ہے، جو نکتہ چین نقاد حضرات کے نام ہے جسکو "معصومانہ شاعرانہ تعلی" کی ایک اچھی مثال ہم کہہ سکتے ہین،

مشم حقیر زادۂ طبع جوانِ من — این قطرۂ آب و دانۂ گوہر شود ہمی

چین بر جبین میفگن اگر دامنش تہی است — کین آسمانِ شام پُر اختر شود ہمی

بے برگ و ساز بینی اگر پیکرِ ہلال — عیبش مکن کہ ماہِ منوّر شود ہمی

خندان مشو بہ گریۂ این اخترِ سحر — کز اشک او برون رُخ خاور شود ہمی

زین خون کہ قطرہ قطرہ چکد از خُم دلم — گیتی بساطِ لالۂ احمر شود ہمی

آسان مگیر گرمی اندیشۂ منیر — کین طفلِ شعلہ مادرِ آذر شود ہمی

یہ نیا دیوان پرانے دیوانون کی طرح کسی سلطان و امیر کے نام نہین، بلکہ حسن عشق اور آزادی کے نام معنون ہے، اس کے بعد یہ نظم

شدہ وقت آن کہ برون زنم رم تیغ آئینہ فام را

پھر اسی طرح نسیم مصلی، پیک صبا، غازی مصطفی کمال، نسیم صبا، پیک ماہ، آئینۂ جمال، روبہ طہران ہیں

شتربانا بیا در اصفہان انداز محمل را

پھر، ساقی تو خود بگو کہ بنوشم کدام را

پھر، قضائے خویشتن در پنجۂ گردون نمی خواہم

ان کے بعد خوشۂ پروین، خونِ خزان وغیرہ نظمین ہین، ان مین سے اکثر نظمین خود ایران کے مختلف شہرون مین لکھی گئی ہین اور اُن کے لئے خود اہل زبان سے داد تحسین حاصل کی گئی ہے، کلام

مین بے حد جوش وخروش، زور و قوت اور فطرت پرستی کے مظاہر مین، زبان کا لطف اور محاورات کی شیرینی مزید ہے،

دیوان مین فرضی حسن و عشق والی غزلین نہین ہین، جو کچھ ہے وہ حسن فطرت اور آزادی کا ترانہ ہے، یہ وہ صدائین ہین جو موجودہ ماحول کے ہر در و دیوار سے بلند ہو رہی ہین، ضرورت ہے کہ انگریزی اسکولون اور کالجون کے فارسی نصاب مین ان خیالات کو داخل کیا جائے اور پرانی شاعری کیساتھ ساتھ نئی شاعری کے نمونے بھی طلبہ کو دکھائے جائین، نیز فارسی زبان کے پرانے قدرشناسون سے بھی التماس ہے کہ اس ماہِ نو سے لطف اٹھاکر فارسی کے اس نوجوان شاعر کی قدر کرین، قیمت عا، پتہ: پروفیسر اکبر منیر گورنمنٹ کالج اٹک،

"س"

خطباتِ مدراس

مولانا نے پچھلے سال مدراس مین سیرۃ نبوی کے مختلف پہلوؤن پر آٹھ خطبے (لکچر) دیے تھے، جو نہایت مقبول ہوے، اور مسلمانون نے انکو بیحد پسند کیا، ان آٹھ لکچرون مین نہایت موثر الفاظ مین، تاریخی دلایل کے ساتھ آنحضرت صلعم کی سیرۃ مبارکہ اور آپ کی تعلیمات کا عطر اور خلاصہ پیش کیا ہے، یہ اس لایق ہین کہ مسلمانون کے علاوہ غیر مسلمون مین ہدیۃً تقسیم کئے جائین اور عربی مدرسون اور مکتبون اور انجمنون مین اُن کو پڑھا جائے،

ضخامت ۱۵۰ صفحے، طبع دوم قیمت عہ

لغاتِ جدیدہ

چار ہزار جدید الفاظ کی ڈکشنری قیمت عیہ

"منیجر"

مطبوعاتِ جدیدہ

غالب اور اُسکی شاعری، نوشتہ جناب احمد الدین احمد صاحب، ایم اے، حجم ۸۰ قیمت ۶ر پتہ :- سفیر بک ایجنسی، الہ آباد،

غالب کو اس وقت جو مقبولیت حاصل ہے اور اُسکی اردو شاعری کے متعلق (جسے وہ اپنے لئے ننگ سمجھتا تھا) جو بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا ہے وہ محتاج بیان نہین، پہلے اگر غالب کی شاعری کو مشرقی اصول کی کسوٹی پر پرکھا جاتا تھا تو اب مغربی اصول اُسپر چسپان کئے جارہے ہین موجودہ مضمون بھی جو ایک نوجوان فارغ التحصیل طالب علم کا لکھا ہوا ہے، اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، مضمون نگار نے دعوی کیا ہے کہ غالب کو

نہ ستایش کی تمنا نہ گلہ کی پرواہ

ہے وہ صرف اپنے پیغام کو عملی صورت مین دیکھنا چاہتا ہے لیکن پورے مضمون مین کہین بھی اُس کے اُس "روحانی پیغام" کا ذکر نہین ہے، مضمون بہیس اچھا اور لائقِ مطالعہ ہے،

مقالات نوشتہ جناب احمد الدین احمد صاحب ایم اے، حجم ۸۸ قیمت ۸ر پتہ :- سفیر بک ایجنسی الہ آباد،

یہ چھوٹا سا رسالہ ہمارے نوجوان انشاپرداز کے پانچ چھوٹے چھوٹے مضامین کا مجموعہ ہے، اگرچہ ان عنوانات پر مفصل تحقیقات شایع ہوچکی ہین تاہم اُن کے نتائج کو جس کثرت سے پھیلایا جائے بہتر ہے، ہندوستان کے پانچ بڑے مسلمان حکمرانون پر جو پانچ غیر تاریخی الزامات ہین اُن کے یہ مجمل جوابات ہین اور عام اشخاص کیلئے جو تحقیقات وتنقیدات کے صبر طلب راستہ پر نہین چل سکتے

ایک حد تک تسکین کا باعث ہوسکتے ہین، ضرورت ہے کہ اس قسم کے مضامین بکثرت انگریزی ہندی وغیرہ مین لکھے جائین کہ صدیون کی پیدا کردہ غلطیون کا ازالہ ہوجائے،

"ن"

فیروز شاہ، مصنفہ جناب حکیم محمد سراج الحق صاحب، منیجر وپبلشر رسالہ دلگداز، حجم ۱۴۴ صفحے قیمت عہ پتہ : منیجر دلگداز کٹرہ بیزن بیگ خان لکھنؤ،

جناب حکیم محمد سراج الحق صاحب نے اس کتاب مین سلطان فیروز شاہ بہمنی اور راجہ دیورای بیجانگر کی معرکہ آرائیون کا نقشہ حسن وعشق کی رنگ آمیزی کے ساتھ دلچسپ پیرایہ مین پیش کیا ہے،

حکیم صاحب نے اپنے اس ناول مین مولانا شرر مرحوم کے نقش قدم کی پیروی کی پوری کوشش کی ہے اور اگر فسانہ کے پلاٹ کی کہین کہین کی فروگذاشتون کو نظر انداز کردیا جائے تو بلا شبہ اس پر مولانا شرر مرحوم کی تصنیف ہونے کا گمان ہوتا ہے، اور یہی اس کتاب کی سب سے بڑی کامیابی ہے،

اسرارِ شربتیہ، مصنفہ مولانا حکیم محمد عبدالوہاب صاحب انصاری حجم ۱۳۰ صفحے تقطیع چھوٹی لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت سے ر پتہ :- حکیم محمد عبدالحئی صاحب انصاری جامع مسجد دہلی،

مولانا عبدالوہاب، مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری وغیرہ جیسے اہل کمال کی صحبت کے فیضیافتہ ہین اور ایک زمانہ سے علم طب کی خدمت مین مصروف ہین، زیر تبصرہ کتاب مولانا کے ذاتی تجربات وتجربات پر مشتمل ہے،

کتاب کی ابتدا مین نبض کے حرکات وسکنات کیفیات، علامات اور اُس کے تمام اثرات ونتائج پر نہایت شرح وبسط سے مفصل ومحققانہ بحث کی گئی ہے، جو کتاب کے ۱۰ صفحون مین آئی ہے اس کے بعد مولانا کے آزمودہ مرکبات اور اُن کے تفصیلی نسخے درج ہیں،

زبان سے قدیم اہل علم کے اردو طرز تحریر کا انداز نمایان ہے،

اتباع الرسول، مرتبہ مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری حجم ۴۸ صفحے قیمت ۶ ؍ پتہ دفتر اہلحدیث، امرتسر،

مولانا چند سال سے مولوی احمد دین صاحب "مدعی منکر حدیث" سے حدیث کے حجت اور قابلِ اتباع ہونے پر بحث و مناظرہ فرمارہے تھے، زیر نظر رسالہ اسی تحریری مناظرہ کی روداد ہے، جسمین طرفین کے خطوط سوال و جواب کی شکل مین شائع کئے گئے ہین، مولانا نے جوابات مین صرف قرآن مجید کو پیشِ نظر رکھا ہے، یون تو آجکل مناظرہ کا نتیجہ کبھی بھی فیصلہ کن ثابت نہین ہوتا، لیکن اگران خطوط کے اوّل و آخر کو دیکھا جائے تو دعویٰ "انکارِ حدیث" خود مدعی کے الفاظ سے سست ہوتا گیا ہے، اور بالآخر مولوی احمد دین کے قلم سے یہ الفاظ بھی نکل گئے ہین "رسالت کی اطاعت کے تو ہم دونون قائل ہی تھے" اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والون کیلئے یہ دلچسپ رسالہ ہے،

قاعدۂ فارسی، مولفہ جناب ابو المحاسن محمد محسن خان صاحب متین مدرس فارسی وسلطانیہ دارالشفا سرکار عالی حیدرآباد، حجم ۴۸ صفحے تقطیع چھوٹی طباعت و کتابت ایرانی طرز مین عمدہ اور بچون کے لائق ہے، قیمت ۶ ؍ پتہ :- مکتبہ ابراہیمیہ امداد باہمی محدود اسٹیشن روڈ حیدرآباد،

یہ فارسی کا ایک جدید قاعدہ ہے جو نئے اسلوب مین جدید طریقِ تعلیم مین سے "طریقِ راست" (DIRECT METHOD) کے اصول پر مرتب کیا گیا ہے، جو غالباً ہندوستان مین فارسی زبان کے لئے سب سے پہلی کوشش ہے، رسالہ ۲۱ درس مین منقسم ہے، پھر مختلف درس مختلف مشق مین مشق کرائے گئے ہین، ہر درس مین الفاظ کی تعبیر تصویرون سے لیگئی ہے، نیز قدیم فارسی الفاظ کے پہلو بہ پہلو جدید الفاظ بھی استعمال کئے گئے ہین، پھر ہر درس کی تعلیم کے لئے ہدایتین الگ درج ہین، آخر مین ایک فرہنگ منسلک ہے، جسمین مشکل الفاظ کے اردو معنی بتائے گئے ہین، جناب مؤلف اس تالیف کیلئے شکریہ کے مستحق ہین، توقع ہے کہ یہ رسالہ طلبہ کے لئے نہایت مفید ثابت ہو گا،

"ر"

جلد بست و پنجم ۲۵ | ماہ ذی قعدہ و ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۳۰ء | عدد ۵

مضامین